آئینہ مظاہر علوم

اپریل ۲۰۲۴ء

جلد 33 شمارہ 4

ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم

سہارن پور (یوپی)

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد سعیدی حفظہ اللہ

ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

مدیر مسئول

محمد ریاض الحسن مظاہری

مدیر تحریر

ناصر الدین مظاہری

MONTHLY Aaina-e-mazahir Uloom (WAQF)
SAHARANPUR PIN-247001 (U.P.) INDIA

دفتر ماہنامہ آئینہ مظاہر علوم (وقف)
مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور

ICICI BANK A/C 019101001261 IFSC CODE ICICI0000191
UBI A/C 4093010100,23072 IFSC CODE UBIN0540935
UBI A/C 4093010100,23075 FCRA CODE 136690015

Website : www.mazahiruloom.org
E-Mail : mazahiruloom@gmail.com
9557424474

آئینۂ مضامین

عناوین	مقالات	مقالہ نگار	صفحہ
اداریــــہ	داخلہ کے لئے مدارس کا انتخاب	ناصرالدین مظاہری	۳
مقالات	استاذ کا ادب واحترام	مولانا عبدالحق پورقاضویؒ	۸
// //	حضرت امام ابوحنیفہؒ	محمد امین درانی	۱۰
// //	حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ	مولانا سرفراز خان صفدرؒ	۲۰
// //	حدیث دل	ناصرالدین مظاہری	۲۲
// //	پھٹی پرانی پیوندلگی چادر والے خلیفہ	// //	۳۷
// //	حرم مکی ومدنی کی چند یادیں	ناصرالدین مظاہری	۴۰
// //	وقوف عرفات اور عرفہ کا روزہ	مولانا نجیب احمد قاسمی	۴۶

◯ دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ کیلئے اول فرصت میں زرِتعاون ارسال فرمائیں۔

☆ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

☆ جواب طلب اُمور کیلئے جوابی لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ ناقابل اشاعت مضامین کی واپسی ادارہ کے ذمہ نہیں ہے۔

☆ شائع شدہ اشتہارات سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ سالانہ زرِتعاون 200/روپے......دیگر ممالک: 25/امریکی ڈالر

طابع ناشر، مدیر مسئول: محمد ریاض الحسن۔ **مطبع:** فاروقی پرنٹنگ پریس دہلی۔

اشاعت: دفتر آئینۂ مظاہر علوم سہارنپور

داخلہ کے لئے مدارس کا انتخاب

صدا بہ صحرا ناصرالدین مظاہری

رمضان المبارک کے فوراً بعد طلبۂ عزیز حصول علم کے لئے مدارس کا رخ کریں گے، پہلی بات تو یہی ہے کہ حصول علم کے لئے ہماری نیت اورغرض وغایت صاف ہونی چاہئے، دولت وثروت ، مال ومتاع، شہرت اورعوام میں مقبولیت ومحبوبیت یہ سب باتیں حب جاہ میں آتی ہیں، آپ تو خالص نیت اس بات کی کریں کہ مجھے دین کا فہم ہوجائے تاکہ دینی تقاضوں اورراہوں پر چلنا آسان ہوسکے، اسی طرح ہم بھی دینی تعلیم کے ذریعہ اسلام اورتعلیمات اسلام کو پھیلانے کا ذریعہ بن سکیں۔

احساس کمتری، روزی روٹی کا مسئلہ، جاہ ومرتبہ یہ سب چیزیں علم کے منافی امور میں سے ہیں، اسی طرح آپ جس مدرسہ میں پڑھنے کے لئے جارہے ہیں پہلے اس کے بارے میں خوب تحقیق کرلیں کہ وہاں تعلیم کیسی ہوتی ہے، اساتذہ کیسے ہیں، مدرسہ کا ماحول کیسا ہے، آب وہوا کیسی ہے، نصاب تعلیم اورنظام تربیت کیسا ہے، طلبہ کے لئے ذمہ داران کا رویہ کیسا ہے، ذمہ داران بھی صاحب علم ہیں یا محض مسندنشین ہوگئے ہیں، اساتذہ بھی تربیت یافتہ ہیں یا صرف ’’پڑھارہے‘‘ ہیں۔ مدرسہ کتنا ہی خوبصورت ہو، کھانا کتنا ہی معیاری ہو، نصاب تعلیم کتنا ہی شاندار ہو اگر اساتذہ اگر اچھے نہ ہوں تو یقین کیجئے آپ کو وہاں سے کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں ہے۔

اب تو مدارس والے آفر نکالنے لگے ہیں، شوال کے شروع میں ہی مظاہرعلوم وقف سہارنپور کے صدر دروازے پر بے شمار مدارس کے اعلان داخلے آفر اورطرح طرح کی پیش کش کے ساتھ آویزاں دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے، صاف سی بات ہے کہ اگر آپ کے پاس اچھا مشک ہے تو ہرگز کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کے پاس مشک ہے، اسی کو فارسی کی ایک کہاوت میں استعمال کیا گیا ہے ’’مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید‘‘۔

آپ تعلیم میں معیار، طلبہ کے کھانے میں سدھار، ان کی اصلاح کا فکر اوران کی تربیت کے لئے کوشاں ہوں تو آپ کو شوال سے پہلے ہی اعلان کرنا پڑے گا کہ ہمارے یہاں داخلہ کا رخ نہ کریں کوٹہ

پورا ہو چکا ہے، ایسا نہیں ہے کہ میں کوئی اچنبھی چیز بتا رہا ہوں، الحمد للہ مغربی یوپی میں ہی بعض مدارس کو جانتا ہوں جہاں شروع شوال میں جدید اور مزید داخلہ لینے سے منع کرنا پڑتا ہے۔ اہل مدارس کو یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ آپ کا مدرسہ لاکھوں مدارس کے درمیان میں اس وقت تک کوئی حیثیت اور اہمیت حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ آپ مذکورہ بالا امور کی طرف سنجیدگی کے ساتھ عمل پیرا نہ ہو جائیں۔ مجھ سے بعض اہل تعلق حضرات طلبہ بھیجنے کی ہر سال فرمائش کرتے ہیں میں ان سے ہمیشہ یہی کہتا ہوں ایسی فرمائشوں سے بہتر ہے کہ آپ دس طلبہ پر زبردست محنت کرلیں وہی دس طلبہ آپ کی نیک نامی اور مقبولیت کا ان شاء اللہ ذریعہ بن جائیں گے۔

میں نے دیکھا ہے کہ بعض مدارس کا دارالافتاء ممتاز ہے تو بعض کا نصاب تعلیم مشہور ہے، بہت سی جگہوں پر عربی ادب کی تعلیم معیاری ہے تو بہت سے مدارس میں نظام تربیت بہترین ہے، یعنی اختصاص کی وجہ سے ان کی مقبولیت اور محبوبیت عوام کی نظروں میں ہے۔ یہ بھی بہت اچھی بات ہے۔ آپ ہر فن مولیٰ بننے کی بجائے کسی خاص موضوع، مضمون یا فن میں مہارت حاصل کرلیں ان شاء اللہ نیک نامی کے ساتھ کامیابی حاصل ہوگی۔

مرکزی مدارس کے ارباب حل وعقد کو اس پہلو پر بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ فارسی سمیت عربی تعلیم کی تکمیل پر طلبہ کے نو سال صرف ہو جاتے ہیں، اگر آپ ان کے سال بچانے کی فکر وسعی کریں تو یہ نظام سال دو سال گھٹایا جاسکتا ہے۔ بہت سی کتابیں ایک ہی مضمون کی مکرر سکرر ہیں آپ بورڈ پر تعلیم دے کر طلبہ کی صلاحیت میں وہ نکھار پیدا کرسکتے ہیں جو مطلوب ہے تو پھر آپ اس پہلو بھی غور کریں، امت اور عوام کا پورا طبقہ آپ کی طرف ہی دیکھتا ہے، بعض مدارس نے عالمیت کا پنج سالہ نظام شروع بھی کردیا ہے لیکن ہنوز شاذ ونادر ہے۔

اب طلبہ کے پاس وقت نہیں ہے، جب تک وہ فارغ ہوتے ہیں ان کے گھریلو معاشی حالات ڈانواڈول ہو جاتے ہیں، ان طلبہ کو اپنے گھر کے معاشی حالات کو سدھارنے اور استحکام پیدا کرنے کے لئے آپ ان کا وقت کم کرکے سہولت بہم پہنچا سکتے ہیں۔

اکثر مدارس میں تقاریر سکھانے کا نظم ہے لیکن تحریر اور املاء کے ساتھ مضمون نویسی کا کوئی نظام نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ طلبہ دوسروں سے درخواستیں لکھواتے پھرتے ہیں، پھر فارغ ہونے کے بعد انھیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھیں مستقبل کی شرمندگی سے بچانے کی کوشش کریں۔

آپ مدارس کو ایک کارخانہ، ایک شوروم، ایک فیکٹری یا ایک کمپنی تصور کیجئے اور یہ سوچئے کہ کیوں کسی خاص کمپنی کا سامان یا کسی خاص فیکٹری کی مصنوعات عوم میں مقبول ہوتی ہیں، وجہ ظاہر ہے معیار کی وجہ سے، آپ کوئی بھی معیاری اوراعلیٰ کوالٹی کی چیز ایجاد کر کے دیکھیں، دن رات آپ ترقی کریں گے۔ ہمارے مدارس کا بھی یہی حال ہے۔ طلبہ کو، عملہ کو، اساتذہ کو سہولیات کے ساتھ فضولیات سے بھی بچائیں، ان کا ایک ایک لمحہ کام میں لائیں، ضیاع وقت کو ہرگز برداشت نہ کریں۔ خود بھی اصولوں پر عمل پیرا رہیں، تقویٰ، اخلاص، معالیات میں شفافیت، حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ مدارس آپ کے ذاتی گھر یا کارخانے تو ہیں نہیں یہ سب مدارس وقف علی اللہ ہیں، امت کی امانت ہیں، آپ صرف امین ہیں ، امانت میں کسی بھی طرح کی خیانت کا آپ سے حساب ہوگا۔ حساب کے دن سے، حساب لینے والی اللہ تعالیٰ کی ذات سے ڈریئے، ہرگز کسی سے مخالفت، منافقت، مخاصمت اور مداہنت کا راستہ اختیار کر کے راہ شریعت وطریقت سے برگشتہ مت ہوئیے۔

بہت سے طلبہ صرف ڈگری کے حصول کے لئے اپنا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں، میں کہتا ہوں اِن ڈگریوں سے کیا ہوتا ہے، خود ڈگری بنیں پھر دیکھیں دنیا بھر کی ڈگر آپ کے لئے کھلی ہوگی، بعض لوگوں نے آن لائن تعلیم کا گھر بیٹھے نظام بنایا ہوا ہے میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ تربیت کیسے کرتے ہوں گے۔ خانقاہیں کیوں موجود ہیں؟ اصلاح کے لئے، تو پھر یہ بھی اگر چاہتے تو آن لائن ذکر وذکار کرادیتے اور بس۔ لیکن نہیں، یہاں بھی شرط ہے کہ خانقاہ پہنچیں، اپنے صحیح حالات سے آگاہ کریں، ذکر میں حارج چیزوں کو بیان کر کے مشورہ طلب کریں، کون کون سی روحانی بیماریاں اور خامیاں ہیں ان کے دفع کرنے کی کوشش کریں، جو فائدہ استاذ یا پیرومرشد کی خدمت اور صحبت میں مل سکتا ہے قطعاً آپ کو آن لائن نہیں مل سکتا ہے۔ ''نگاہ مردمؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں'' یہ بھی تب ہوگا جب آپ پر آپ کے بڑوں کی نظر اور توجہ ہوگی۔ ''یک زمانہ صحبت بااولیاء'' یہ بھی تب ہی ممکن ہے جب آپ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی خدمت میں پہنچیں اور اپنی اصلاح کی فکر وسعی کریں۔

مدرسین کی تیاری اور ہماری ذمہ داری:

ملک عزیز میں بلاشبہ لاکھوں مدارس اور مکاتب موجود ہیں یہ سب کے سب بچوں کے لئے ہیں، ایک تعلیمی ادارہ ایسا بھی ہونا چاہئے جس میں دینی مدارس کے فارغین میں سے اُن افراد کا داخلہ لے کر تربیت کی

جائے جو اپنا مشغلہ تعلیم وتعلم کو بنانا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہر ادارہ جہاں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم ہوتی ہے وہ شروع ہی سے اپنے ایسے طلبہ پر نظر رکھے جو درس وتدریس کے میدان میں شہ سوار بننے کی خوبی اور صلاحیت رکھتے ہیں۔

میں ہمیشہ ارباب حل وعقد کی توجہات سامیہ اس طبقہ کی تربیت اور ٹریننگ کی طرف مبذول کراتا رہا ہوں لیکن آج رات محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالمتین منیری حفظہ اللہ کی ایک تحریر نظر سے گزری تو بڑی خوشی ہوئی۔ مولانا لکھتے ہیں:

’’محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ علیہ کو زندگی کے آخری ایام میں اس بات کا شدید احساس ہو گیا تھا کہ ہمارے مدارس دینیہ میں ماہر فن اساتذہ کا کال ہوتا جارہا ہے، لہٰذا اساتذہ علوم دینیہ کی تیاری کے لئے اکابر کی سرپرستی اور رہنمائی میں کوئی ادارہ قائم ہونا چاہئے، اسی غرض سے آپ نے **المعهد العالی للدراسات الاسلامیه** اور اساتذہ کی تربیت کے لئے مرقاۃ العلوم قائم کیا تھا اور مولانا بذات خود اپنے زیر نگرانی اساتذہ کی تربیت کا کام شروع کیا تھا، لیکن آپ کے رحلت کے بعد یہ سلسلہ جاری نہیں رہ سکا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ واقعی ایک فرض کفایہ ادا کر رہے تھے اور اس وقت اس فرض کی ادائیگی پر خاطر خواہ توجہ نہ دینے کے سبب ہم سب گنہ گار ہیں۔ گزشتہ پچیس تیس سالوں میں ہمارے فارغین اور مدرسین نے جس طرح تعلیم وتربیت کے معیار کو بلند کرنے کے جانفشانی کا مظاہرہ نہیں کیا اس سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان پر تعلیم وتربیت کے تعلق سے جو فرض عائد تھا اسے انہوں نے کما حقہ پورا نہیں کیا ہے، انہوں نے شخصیات سازی کو اپنی ترجیحات میں شامل نہیں کیا ہے، ان کی توجہات زیادہ تر سستی شہرت اور عوام میں مقبولیت پانے والے پروگراموں پر رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کے ہاتھوں پر بہترین اساتذہ تخلیق نہ پاسکے۔ اور ہم اِس وقت یہ دیکھ رہے ہیں کہ جب کوئی استاد سبکدوش ہوتا ہے تو اس کی جگہ کو ایسے افراد نہیں بھرتے جو اپنے فرض منصبی کے ساتھ انصاف کرسکیں، اور انہیں معیاری تعلیم وتربیت سے مزین کرسکیں‘‘

ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوریؒ، حضرت مولانا شیخ محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ، حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ، حضرت مولانا زین العابدین اعظمیؒ، حضرت مولانا مفتی مہربان علی شاہ بڑوتویؒ، حضرت مولانا شیخ

محمد یونس جون پوریؒ وغیرہ شخصیات ایسی گزری ہیں جن کی دن رات کوشش رہتی تھی کہ کام کے افراد پیدا کئے جائیں، ناکارہ افراد کو کارآمد بنایا جائے، جس کے اندر جو صلاحیت ہے اس صلاحیت سے امت کو فائدہ پہنچایا جائے، اسی لئے آج بھی ان حضرات کے تربیت یافتہ افراد جہاں بھی ہیں مشک کے مانند مشکبار ہیں۔

بڑے اور مرکزی مدارس اپنے یہاں اس سلسلہ میں مستقل ایک شعبہ بھی کھول سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس سب کچھ موجود ہے، اساتذہ بھی، طلبہ بھی، درسگاہیں اور کتابیں بھی۔ ان کے لئے یہ کام دوسروں کی بہ نسبت بہت آسان ہے۔

اس شعبہ یا ایسے مدرسہ میں صرف ان ہی فارغ طلبہ کو لیا جائے جن کا طبعی رجحان ومیلان تدریس کا ہے اور پڑھانے کے لئے صرف ایسے اساتذہ مقرر اور متعین کئے جائیں جو کسی بھی صاحبِ دل عارف وقت سے اصلاحی تعلق رکھتے ہوں۔ کیونکہ اگر اساتذہ ہی آزاد مزاج اور غیر تربیت یافتہ ہوں گے تو ایسے افراد سے اچھے اور کام کے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے ہیں۔

ارتداد جس تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اس کی منجملہ وجوہ میں سے ایک بڑی وجہ ہماری نسل کا عقائد کے باب میں کمزور ہونا بھی ہے، ہمیں اپنی نسلوں کے عقیدہ کو مضبوط اور راہ راست سے مربوط رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے، دینی تعلیم تو ہے ضروری عصری تعلیم کی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا اس سلسلہ میں اپنے اسکول، اپنے کالج، اپنی تعلیم گاہیں اور اپنی تربیت گاہیں وجود میں لائی جائیں اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ نئی جگہ پر نئے سرے سے نظام شروع کیا جائے اپنے پہلے سے چل رہے مدرسہ میں اس تعلیم کا ثانوی نظام اور ساعات کی تقسیم کر کے بھی آپ اس کام کو آگے بڑھا سکتے ہیں اور فرصت وفراغت ہو تو نئے سرے سے شروع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

جھوٹ ایک گناہ ہے، کسی بھی نیک کام کے لئے آپ جھوٹ کا سہارا ہرگز نہ لیں، ویسے بھی اب حالات ایسے بن چکے ہیں کہ جھوٹ بولنا لکھنا اور لوگوں کے سامنے جھوٹ بول کر اپنے ادارہ کی ضروریات رکھنا ممکن نہیں رہا ہے کیونکہ ہر چیز نیٹ پر موجود ہے اور ہر شخص کی جیب میں موبائل موجود ہے۔ مدرسہ کے اخراجات، آمد اور بجٹ کے سلسلہ میں بھی کسی جھوٹ کا سہارا نہ لیں کیونکہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو جب تک جہاں تک پھیلے گا ہمارے اعمال نامے کی سیاہیوں میں اضافہ ہی کرے گا۔

☆☆☆

اُستاد کا ادب واحترام

حضرت مولانا عبدالحق پورقاضویؒ

مسئلہ مندرجہ عنوان ایک ایسا مسلم الثبوب مسئلہ ہے کہ اس کوکسی دلیل سے ثابت کرنے کی مطلق حاجت نہیں ہے لیکن مسلمانوں کی بدقسمتی سے یورپ کی دہریت اور مادّہ پرستی اور حد سے زیادہ حریت کی ظلمت نے ان کے دل ودماغ میں اثر کر کے اسلامی روحانیت اور ایمانی روشنی کوفنا کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے مسلمہ شرعیہ امور سے انکار کر بیٹھتے ہیں جن کا توارث زماں برکت قرآن حضور رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آج تک بطور تواتر چلا آتا ہے چنانچہ اسی مسئلہ استاد کے حق احترام اور تعظیم کی نسبت ادعا کیا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث سے اسکا ثبوت نہیں ہے اور نہ اِس بارے میں کوئی صریح آیت اور حدیث موجود ہے حال آنکہ قرآن وحدیث میں جابجا اسکا ثبوت موجود ہے مگر کسی کو نہ معلوم ہوتو اسکا کیا علاج ہے۔

میرے نزدیک یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ اگر خدانخواستہ بڑھا تو دینی تعلیم تعلم کا سلسلہ برباد ہوجانے کے علاوہ انتظام مدنیت جس کا مدار بہت کچھ اخلاق وادب پر منحصر ہے درہم برہم ہوجاویگا اور ہر شخص ستر بے مہار ہوکر انعام اور دواب کی سی حرکات کرنے لگے گا اِس لئے مسلمانوں کواس فتنہ سے بچانے کیلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کوایسا واضح طور پر بیان کر دیا جاوے کہ اُس کے بعد پھر کسی شخص کوگو اُس کی غرض نفسانی کتنا ہی مجبور کرے یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ معلم (اُستاد) کا حق احترام قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے۔

اِس مسئلہ میں اول یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک کا حق تعظیم واحترام دوسرے پر کس سبب سے واجب ہوتا ہے قرآن اور حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ تعظیم واحترام فضل ہے فاضل کا احترام مفضول علیہ پر واجب ہے اور اگر فضل کے ساتھ فضال کی جانب سے فیضان نعمت بھی ہوتو اور بھی زیادہ حق تعظیم بڑھ جاویگا اور جس قدر زیادہ فضل ہوگا اُسی نسبت سے مفضول علیہ پر فاضل کی تعظیم واحترام واجب ہوگا دیکھئے بعد خدائے عزوجل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوفضیلت ہے اور آپ

کی جانب سے فیضان نعمت ہدایت بھی ہے اسی نسبت سے آپ کی تعظیم بھی بعد خدائے عزوجل کے سب سے زایادہ واجب ہوئی قرآن حکیم میں آپ کی تعظیم اورادب کا یہاں تک حکم ہے کہ آپ کے روبرو بلند آواز سے بھی گفتگو نہ کی جاوے۔ آیۃ

لاترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى (اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلندمت کرو)

اوران لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو وارے حجرات بلند آواز سے آپ کو پکارتے تھے جس میں ایک قسم کی بے ادبی معلوم ہوتی تھی علی ہذا مرتبہ بمرتبہ اورانبیاء علیہم السلام اورصحابہ کرام کی تعظیم امت پرواجب ہے۔ ماں باپ کی جانب سے علاوہ ان کے اس فضل کے جواولاد پر قرآن اورحدیث سے ثابت ہے فیضان نعمت وجود وتربیت بھی ہے اس لئے ان کی تعظیم کی قرآن پاک میں نہایت درجہ تاکید ہے **فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا كريما** (ان کواُف بھی مت کہہ اور نہ اُن کوجھڑک اوراُن سے تکریم کی بات کر)

مردکوعورت پراللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض (مردعورتوں پر حاکم ہیں بوجہ اُس بزرگی کے جواللہ تعالیٰ نے بعض آدمیوں کو بعض پر دی ہے)

اورنیز ارشاد ہے **للرجال عليهن درجة** (مردوں کوعورتوں پرفوقیت ہے۔)

اس کی تعظیم کا یہاں تک حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کوسجدہ کرنیکا حکم کرتا توعورت کوحکم کرتا کہ شوہرکوسجدہ کرے اسی طرح عمر میں فضل ہونے کی وجہ سے بڑی عمر والے کی تعظیم چھوٹے پرواجب ہے **من لم يرحم صغيرنا ويؤقر كبيرنا فليس منا** (جس نے ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کی اورچھوٹے پررحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے) ونیز **وليؤمكما اكبر كما.** (دونوں میں جو بڑا ہووہ امامت کرے)

الغرض فضل موجب تعظیم ہے اورعلم اوراہل علم کی فضیلت ظاہر ہے جس سے قرآن اورحدیثیں مملو ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ

محمد امین درانی

امام صاحبؒ کے پوتے عمر بن حماد بن ابی حنیفہ کے قول کے مطابق امام صاحب کا نسب یوں ہے: ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی۔ زوطی اہلِ کابل سے تھے۔ انہوں نے کابل سے کوفہ ہجرت کی اور وہیں آباد ہو گئے۔ ان کے والد بزرگوار ''ثابت'' پیدائشی مسلمان تھے۔ ثابت کی ملاقات حضرت علی بن ابی طالب سے کوفہ میں ہوئی تھی جب ثابت کو ان کے والد زوطی حضرت علی کی خدمت میں لے گئے تھے، انہوں نے آپ کے لیے دعا کی۔

دوسری روایت آپ کے دوسرے پوتے اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ سے ہے۔ ان کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن نعمان بن المدزبان ہیں اور وہ فارس (ایران) کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے ان کے دادا نے کوفہ ہجرت کی اور وہیں آباد ہوئے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ للصمیری)

ان دونوں اقوال میں تطبیق ایسی ہے کہ ''زوطی'' نعمان بن المدزبان کا لقب ہے۔ اس زمانے میں کابل پر اہلِ فارس حکمران تھے۔ کابل، فارس (ایران) کا محکوم علاقہ تھا تو کابل کو فارس میں شمار کرلیا گیا۔

ولادت

اکثر ائمہ سیرت وتاریخ کے اقوال کے مطابق امام ابوحنیفہ ۸۰ھ کو کوفہ میں پیدا ہوئے۔ صرف ائمہ حدیث میں محدث الحسن الخلال نے مشہور محدث زواد بن علیہ سے روایت کی کہ امام ابوحنیفہ ۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ تاریخِ وفات میں کوئی اختلاف نہیں سب کے نزدیک ۱۵۰ھ ہے، جس سال امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی (مقدمہ جامع المسانید)

دونوں روایتوں کے مطابق وہ قرنِ اول کے آخر میں پیدا ہوئے جو صحابہ کرام کا زمانہ ہے۔ انہوں نے تدریسِ اسلام (تدریسِ حدیث وفقہ) قرنِ ثانی (دوسری صدی) میں کی جو تابعین کی صدی ہے۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی تینوں صدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین صدیاں (خیر القرون) فرمایا اور ان لوگوں کی افضلیت اور عدالت کی شہادت دی جو ان تینوں

صدیوں میں ہوں۔

صحابہؓ سے ملاقات

امام ابوحنیفہؒ کے حاسدوں نے مختلف کتابوں میں لکھا ہے کہ آپ کے زمانے میں چار صحابہ موجود تھے۔انس بن مالک بصرہ میں،عبداللہ بن ابی کوفہ میں،سہل بن سعد مدینہ منورہ میں،اور عامر بن واثلہ مکہ میں،اور کسی سے نہیں ملے۔تابعین سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ تبع تابعین میں سے ہیں (تاریخ امام ابوزہر مصری)

مذکورہ بالا روایت غلط ہے اور اس کے مقابلے میں امام ذہبی نے الخطیب سے بحوالہ تاریخ بغداد نقل کیا ہے کہ وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بصرہ میں ملے اور ان سے احادیث کی روایت کی۔ امام الصمیری نے (اخبار ابی حنیفہ میں) لکھا ہے، جب امام صاحبؒ پندرہ سال کے ہوئے تو آپ نے انس بن مالک کو بصرہ میں دیکھا اور ان سے روایت کی۔ابوداؤد الطیالسیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی،ابوحنیفہؒ نے فرمایا میں ۸۰ھ کو پیدا ہوا،صحابی رسول عبداللہ بن انیس کوفہ آئے اور میں چودہ سال کا تھا کہ میں نے ان سے یہ حدیث لی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''حبک الشیء یعمی و یصم'' (کسی چیز کی محبت آپ کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے)۔(جامع المسانید)

بشر بن الولید قاضی نے امام ابو یوسف سے روایت کی کہ مجھے امام ابوحنیفہ نے فرمایا، میں سولہ سال کا تھا اور حج کے لیے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ گیا اور مسجد الحرام میں صحابی رسول عبداللہ بن الحارث بن جزی الزبیدی کے حلقہ درس میں بیٹھا اور ان سے یہ حدیث سنی ''من تفقه فی دین اللّٰه کفاہ اللّٰه همه و رزقه من حیث لا یحتسب'' جو اللہ کے دین میں مہارت حاصل کریں اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کرے گا اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جو اس کے گمان میں نہ ہو۔

ایسے اور کئی واقعات سیر و تاریخ و اسماء الرجال میں اس حقیقت کی شہادت کرتے ہیں کہ مشکوۃ المصابیح کے اسماء الرجال کے آخر میں یا ابو زہرہ وغیرہ نے جو لکھا ہے وہ غلط ہے اور حقیقت کے خلاف ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ تابعی ہیں۔انہوں نے صحابہ کرام کو دیکھا ان سے روایت کی۔ اس حقیقت کی تائید امام ابو یوسف کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جب امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان نے امام صاحب سے کہا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا یہی فتوی ہے کہ سجدہ سہو سلام کے بعد

ادا کرنا ہے۔اس تحقیق کے لیے امام صاحب بصرہ تشریف لے گئے اوران سے خود ہی مسئلہ سنا (اخبار ابی حنیفہ للصمیری ص ۵)۔

ہناد بن سری محدث نے امام ابوحنیفہ کی روایت واثلہ بن الاسقع صحابی سے نقل کی اور محدث یحییٰ بن معین نے ابوحنیفہ کی روایت عائشہ بنت عجر وصحابیہ سے نقل کی۔ یہ ساری روایات صحیح ہیں اوران روایات سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوئی کہ امام ابوحنیفہ یقیناً تابعی ہیں۔

ابتدائی تعلیم

امام ابوحنیفہ نے قرآن مجید مشہور قاری امام القراءات عاصم بن ابی النجو دالکوفی سے حفظ کیا۔ یہ بچپن کا زمانہ تھا۔امام عاصمؒ نے خوداس کی شہادت کی۔''اتیتنا صغیرًا و اتیناک کبیرًا ''آپ ہمارے پاس چھوٹے آتے تھے اورہم آپ کے پاس آپ کے بڑے ہونے پر آئے۔امام عاصم نے اپنے شاگردابوحنیفہؒ سے بعد میں احادیث اورفقہی مسائل کی روایت کی۔امام عاصم مشہور قاری حفص کے استاد ہیں جن کی قراءت کی روایت سے ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں۔(مقدمہ جامع المسانید)

تعلیمِ حدیث وفقہ

امام ابوحنیفہ نے چار ہزارائمہ شیوخ التابعین سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اوراکثر حصہ احادیث اپنے مشہوراستادحماد بن ابی سلیمان سے روایت کی جومدرسہ کوفہ کے شیخ الحدیث تھے۔

ربیع بن یونس نے روایت کی کہ امام ابوحنیفہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کی خدمت میں گئے،عیسیٰ بن موسیٰ نے خلیفہ منصور سے کہا کہ آج ابوحنیفہ دنیا کا عالم ہے۔خلیفہ منصور نے پوچھا،اے نعمان! آپ نے کن سے علم کیا؟امام نے فرمایا عمر بن الخطاب،علی بن ابی طالب،عبداللہ بن مسعود،اورعبد اللہ بن عباس کے ساتھیوں سے علم حاصل کیا۔عبداللہ بن عباس اپنے وقت کے بڑے عالم تھے(وہ خلیفہ منصور کے اجداد میں سے ہیں) خلیفہ منصور نے کہا،آپ معتمد انسان ہیں آپ پر(دین میں) بھروسہ کیا جاسکتا ہے''۔(مقدمہ جامع المسانید ص ۳۰ وص ۳۱)

تدریس

امام حماد بن ابی سلیمان کی وفات کے بعد علماءعراق کے بے حد اصرار پرامام ابوحنیفہ نے مدرسہ

کوفہ میں احادیث کی تدریس شروع کی اور قرآن وسنت سے مستنبط فقہی احکام کی تعلیم دی۔ جلیل القدر تابعین آپ سے دینی مسائل میں فتوٰی لیتے تھے اور آپ پر اعتماد کرتے تھے۔ ہزاروں لوگوں نے امام ابوحنیفہ سے احادیث روایت کیں جن میں چند مشہور محدثین درج ذیل ہیں: (۱) عمرو بن دینار (۲) عبداللہ بن المبارک (۳) داود الطائی (۴) یزید بن ہارون (۵) عباد بن العوام (۶) محمد بن الحسن الشیبانی (۷) ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری (۸) وکیع بن الجراح (۹) ہمام بن خالد (۱۰) سفیان بن عتیبہ (۱۱) فضیل بن عیاض (۱۲) سفیان الثوری (۱۳) ابن ابی لیلی (۱۴) ابن شبرمد (۱۵) قاری حمزہ بن حبیب (۱۶) آپ کے استاد امام القراء عاصم بن ابی النجود (۱۷) امام القراء نافع بن عبدالرحمٰن المدنی جو امام مالک کے استاد ہیں (۱۸) اکیلے قاری عبداللہ بن یزید نے امام ابوحنیفہ سے نو سو احادیث کی روایت کی۔ (ص ۹۲ جامع المسانید)۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے آپ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں سے روایت کی۔

اتنی تعداد میں جلیل القدر ائمہ حدیث کی روایت امام ابوحنیفہ سے اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہ نہ صرف فقیہ بلکہ امام المحدثین ہیں اور علمِ حدیث کے متبحر اور مستند اماموں میں سے ہیں۔ اور آپ کی کتبِ حدیث، احادیث کی مسندیں مع کتاب الاثار، جو امام محمد اور امام ابو یوسف کی الگ کتابیں ہیں، دین کی اصحب کتب ہیں اور ان کا درجہ ان کتب حدیث سے اونچا ہے جو امام ابوحنیفہ کے بعد مرتب ہوئیں کیونکہ یہ روایات یا تو معتمد جلیل القدر تابعین سے ہیں یا براہِ راست اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ جو دوسری کتب حدیث کے رواۃ (جو غیر تابعین اور غیر صحابہ) ہیں ان سے زیادہ معتمد زیادہ افضل اور زیادہ ثقات ہیں اور ازراہِ انصاف اس حقیقت کے مطابق قران مجید کے بعد امام ابوحنیفہ کی کتب حدیث اصح الکتب ہیں۔ (امام بخاریؒ گیارہویں طبقہ کے محدث ہیں جبکہ امام ابوحنیفہ چھٹے طبقہ کے محدث ہیں)۔ اور مقدمہ ابن خلدون کے میں درج ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سترہ احادیث روایت کی ہیں یہ امام ابوحنیفہ کے حاسدوں کی ترجمانی ہے اور غلط بیانی کی انتہا ہے۔ اسی طرح خطیب بغدادی کے اقوال جو امام ابوحنیفہ کے خلاف ہیں وہ تعصب پر مبنی ہیں۔

علمی مجلسِ شوریٰ

امام ابوحنیفہ نے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس ائمہ منتخب کیے جو مجتہدین تھے، ان کو علمی مجلسِ شوریٰ کا ممبر بنایا جس کے سیکرٹری امام ابو یوسف تھے۔ امام ابوحنیفہ دینی مسئلہ اس مجلس میں پیش کرتے اور اپنے ان مجتہد ائمہ شاگردوں سے وہ احادیث اور آثار سنتے تھے، اور ایک ایک مہینہ اکثر اوقات مذاکرات طویل ہوتے تھے تب ہی کوئی بات تحقیق سے ثابت ہوتی تو امام ابو یوسف اس کو درج کرتے تھے۔ دینی مسائل کی تحقیق کے لیے مجلسِ شوریٰ کی تاسیس امام ابوحنیفہ کا ایک منفرد عمل ہے جو باقی ائمہ کرام کو نصیب نہیں ہوا۔ امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے لوگوں نے مجھے دوزخ کے اوپر پل بنادیا ہے، سارا بوجھ میرے اوپر ہے، اس لیے میرے ساتھیو! میری مدد کرو۔

امام ابوحنیفہ بشر ہیں، اگر کبھی خطا ہو جاتی تو یہ ائمہ کبار ان کو احادیث وآثار سنا کر حق کی طرف واپس کرتے۔ انہوں نے امام ابو یوسف سے کہا، کوئی بات بغیر تحقیق درج نہ کریں، بغیر تحقیق والی بات اگر آج ہے تو کل اسے چھوڑ دوں گا اور اس سے رجوع کروں گا۔ یہ حقیقت اس بات کی شاہد ہے کہ حنفی مسائل اجماعی اور سو فیصد صحیح ہیں۔

مذہب حنفی کی تاسیس

کوفہ عراق کا اہم ترین شہر ہے۔ عراق کے فتح ہونے کے بعد حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ دوم نے صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ میں تعلیم وتدریس اور قضاء کے لیے منتخب فرمایا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اس وقت دینِ اسلام کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود مکہ مکرمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور مدینہ منورہ میں وصالِ نبوی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی سفر اور حضر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزاری۔ تمام احکام آپ کے سامنے نازل ہوئے۔ ناسخ ومنسوخ کا علم سب سے زیادہ آپ کو ہوا کیونکہ باقی اصحابِ رسول کوئی نہ کوئی کام یا کاروبار کرتے تھے جبکہ عبداللہ بن مسعود کا پیشہ صرف خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے وہ دین کے بہت بڑے عالم اور فقیہ بنے اور اس خوبی کے تحت حضرت عمر فاروق نے آپ کو مدرسہ کوفہ کا پہلا معلم مقرر فرمایا۔ عہدِ فاروقی میں

حضرت عبداللہ بن مسعود کوفہ میں درس دیا کرتے تھے۔عہدِ عثمانی میں مدینہ منورہ میں عبداللہ بن مسعود کی کمی محسوس کی گئی تو خلیفہ سوم نے آپ کو وہاں بلایا، پھر مسجد نبوی میں درس دیتے رہے اور وفات کے بعد جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بعد آپ کے شاگردوں حضرت علقمہ نخعی، مسروق الہمدانی، ابی قاضی شریح، اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں ابراہیم النخعی، عامر الشعبی، حاد بن ابی سلیمان، پھر ان کے شاگرد امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہم نے عبداللہ بن مسعود کی وہ اسلامی تعلیم لوگوں کو سکھائی جو اس جلیل القدر صحابی نے اپنی ساری زندگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی تھی۔ اور یہی اسلامی تعلیم مذہب حنفی کے نام سے مشہور ہوئی۔مذہب حنفی کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔

امام ابوحنیفہ، عبداللہ بن مسعود کے قائم کردہ مدرسے میں تدریسِ حدیث اور فقہ کیا کرتے تھے اور اس علمی خدمت کے ساتھ آپ اونی اور ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے اور تجارت کا منافع اپنے شاگردوں اور دیگر محتاجوں پر خرچ کیا کرتے تھے۔آپ نے تدریسِ اسلام پر کوئی اجر نہیں لیا۔امام ابوحنیفہ نے جن چالیس اماموں کو تدوینِ فقہ اسلامی کے لیے منتخب کیا تھا ان میں سے چار امام بہت مشہور ہوئے۔

(۱) امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاریؒ

جن کی مشہور کتاب ''مسائل الخراج'' ہے جس میں اسلامی ٹیکس، صدقات اور مالی مسائل مذکور ہیں۔انہوں نے امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار اور مسند فی الحدیث کی روایت کی۔امام شافعی کی کتاب الاُم کی آخیر ساتویں جلد تک امام ابو یوسفؒ کے علمی اقوال درج ہیں۔وہ بتایا کرتے تھے کہ وہ انتہائی غریب و نادار تھے اور حدیث و فقہ کے شیدائی تھے۔ان کے والد ابراہیم الانصاری نے آپ سے کہا ابوحنیفہ کی روٹی مرغن ہے اور آپ کو مزدوری کی ضرورت ہے، اس لیے والد کی اطاعت کی خاطر ابوحنیفہ کے درس سے چند روز غیر حاضر رہے۔جب حاضر ہوئے ان سے پوچھا کیوں غیر حاضری کی؟ امام ابو یوسف کے بتانے پر سبق کے آخیر میں آپ کو اشارہ کرکے سو درہم کی تھیلی دی اور حاضری کی تلقین کی۔تھوڑے دنوں کے بعد پھر سو درہم دیے اور وقفہ وقفہ سے امام ابوحنیفہ آپ کو سو سو

درہم دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ امام ابو یوسف غنی اور مالدار ہوئے۔(خبار ابی حنیفہ للصمیری)۔

امام ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کوئی مجلس امام ابوحنیفہ اور امام ابن لیلی کی مجلسوں سے مجھے زیادہ پسند نہ تھی۔ میں نے ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ اور ابن ابی لیلی سے بڑا قاضی نہیں دیکھا۔ امام ابو یوسف نے فرمایا، میں امام ابوحنیفہ کی صحبت میں سترہ سال رہا، میں نہ عید الفطر اور نہ عید الاضحٰی میں ان سے غیر حاضر رہا سوائے اس صورت میں جبکہ میں بیمار تھا۔ آپ فرماتے تھے ہر نماز اور ہر عبادت کے بعد امام ابوحنیفہ کے لیے دعا کرتا رہتا۔ امام حماد بن ابی حنیفہ (امام الاعظم) فرماتے ہیں کہ میرے والد (امام ابوحنیفہ) کے دائیں طرف امام ابو یوسف اور بائیں جانب امام زفر تھے۔ مسائل میں ہر ایک دوسرے کے خلاف دلائل پیش کرتے رہے۔ صبح سے ظہر تک دونوں کا مناظرہ جاری تھا، جب ظہر کے لیے مؤذن نے اذان دی امام ابوحنیفہ نے اپنا ہاتھ امام زفر کی ران پر مارا اور فرمایا اس شہر میں سربراہی کی امید نہ کر جہاں ابو یوسف موجود ہو۔ امام ابوحنیفہ نے امام زفر کے خلاف امام ابو یوسف کے حق میں فیصلہ دیا (اخبار ابی حنیفہ للصمیری)۔

محدث علی بن الجعد نے فرمایا، امام ابو یوسف نے ہمیں حدیث کی روایت کی۔ اس وقت لوگوں سے مجلس بھری ہوئی تھی، ایک آدمی نے پوچھا اے ابوالحسن (ابن ابی عمران) کیا آپ کو ابو یوسف یاد ہیں؟ تو محدث علی بن الجعد نے فرمایا جب آپ ابو یوسف کا نام لیتے ہیں تو پہلے اشنان اور گرم پانی سے منہ دھولیں۔ پھر فرمایا خدا کی قسم میں نے ابو یوسف کی طرح کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ابن ابی عمران فرماتے ہیں کہ محدث علی بن الجعد نے سفیان ثوری، حسن بن صالح، امام مالک، ابن ابی ذیب، لیث بن سعد اور شعبہ بن الحجاج جیسے اماموں رحمہم اللہ علیہم کو دیکھا تھا، وہ سب پر ابو یوسف کو ترجیح دیتے تھے (اخبار ابی حنیفہ)

(۲) امام زفر بن الہذیل بن قیس العنبریؒ

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام حسن بن زیاد اللؤلؤی نے فرمایا کہ امام اعظم کے دو شاگرد امام زفر اور امام داود طائی گہرے دوست تھے۔ امام داود طائی نے عبادت کی طرف زیادہ توجہ دی جبکہ امام زفر نے فقہ اور عبادت دونوں کی طرف زیادہ توجہ دی۔ امام زفر امام ابوحنیفہ کے جوتوں قریب بیٹھتے تھے جبکہ امام ابو یوسف

آپ کے دائیں جانب بیٹھا کرتے تھے۔امام وکیع بن الجراح، جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام شافعی کے استاد ہیں،فرمایا کرتے تھے امام زفر انتہائی پرہیز گار تھے،ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔

امام محمد بن وہب فرماتے ہیں کہ امام زفر ابوحنیفہ کے ان دس اکابر شاگردوں میں سے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ کی نگرانی میں کتابیں تالیف کیں۔اہلِ بصرہ کے علماء امام ابوحنیفہ کے تابع اس لیے ہوئے کہ بصرہ کے لوگ امام زفر کے علم سے متاثر ہوئے اور آپ کے علم کو پسند کیا۔امام زفر نے فرمایا، میں نے یہ علم امام ابوحنیفہ سے حاصل کیا ہے تو اہلِ بصرہ احناف بنے۔

امام وکیع بن الجراح نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد لوگ امام زفر سے پڑھتے تھے اور بہت کم امام ابو یوسف کی مجلس میں ہوتے تھے۔ (اخبار ابی حنیفہ للصمیری)

(۳) امام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانیؒ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔جس دن امام ابوحنیفہ دنیا سے رحلت کر گئے امام محمد اس دن اٹھارہ سالہ نوجوان تھے۔آپ نے فقہ حنفی کی باقی تعلیم امام ابو یوسف سے حاصل کی۔اس کے بعد امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی سے پڑھا۔پھر تین سال مدینہ منورہ میں امام مالک سے مزید احادیث کی تعلیم حاصل کی۔اور جب وہ درس وتدریس کے لیے بیٹھ گئے تو بڑے ائمہ کرام نے آپ سے تعلیم حاصل کی جس میں امام محمد بن ادریس الشافعی بھی ہیں۔امام شافعی فرماتے ہیں جب امام محمد بات کرتے تو سننے والا یہ گمان کرتا کہ قرآن مجید امام محمد کی لغت (لہجہ) میں نازل ہوا ہے۔

آپ نے فقہ حنفی امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے حاصل کی اور عراقی فقہ کے کامل مستند فقیہ بنے۔اس کے بعد آپ نے حجازی فقہ امام مالک شیخ الحجاز سے حاصل کی۔اس کے بعد فقہ اہل الشام کی مہارت اہلِ شام کے امام اوزاعی سے حاصل کی۔آپ کی علمی خدمات کی بدولت آپ کے شاگردوں میں امام شافعی جیسے لوگ پیدا ہوئے اور وہی امام شافعی امام احمد بن حنبل،امام داود الظاہری، امام ابوجعفر طبری اور امام ابوثور بغدادی کے استاد بنے۔اس لحاظ سے مذہب شافعی اور مذہب حنبلی دونوں مذہب حنفی کی شاخیں ہیں۔اور فقہی مسائل میں اختلاف نے اگر امام محمد، امام زفر اور امام ابو یوسف کو مذہب حنفی سے نہیں نکالا تو یہ اختلاف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کو حنفیت سے کیسے

نکالے گا؟ امام شافعی فرماتے ہیں میں نے حلال وحرام، ناسخ ومنسوخ میں امام ابوحنیفہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا (اخبار ابی حنیفہ للصمیری ص ۳۲۱) اور فرمایا اگر لوگ فقہاء کے بارے میں انصاف کرتے تو وہ جان لیتے کہ انہوں نے محمد بن الحسن جیسا فقیہ نہیں دیکھا (اخبار ابی حنیفہ للصمیری ص ۴۲۱)۔

یاد رہے کہ امام شافعی امام مالک کے شاگرد بھی رہے ہیں اور اس کے باوجود وہ امام محمد کو بے مثال امام سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معروف مصری محقق محمد ابوزہرہ نے اپنی کتاب اصول الفقہ مبحث المجتہدین میں لکھا ہے کہ قرنِ ثانی اور قرنِ ثالث کے کئی علماء کا یہ ہی نظریہ ہے کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی اپنے استاذ امام مالک سے بڑے فقیہ تھے اور فنِ حدیث میں ان کے اوپر سبقت حاصل کی۔ امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دقیق مسائل امام محمد بن الحسن الشیبانی کی کتابوں سے لیے (اخبار ابی حنیفہ للصمیری)۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ علیہ نے فقہ حنفی کو عام کرنے میں اہم خدمت کی اور انہوں نے کئی کتابیں تالیف کیں۔ فقہ میں آپ کی تالیفات دو قسم کی ہیں:

(۱) ظاہر الروایہ

جن کتابوں کو ثقہ اور معتمد علماء جو عوام میں مشہور ومعروف تھے انہوں نے امام محمد سے روایت کیا وہ کتب ظاہر الروایہ یا اصول کے نام سے موسوم ہیں۔ وہ چھ کتابیں ہیں:

(۱) المبسوط (الاصل)۔ (۲) الجامع الکبیر (۳) الجامع الصغیر (۴) کتاب السیر الکبیر (۵) کتاب السیر الصغیر (۶) الزیادات۔

یہ کتب ظاہر الروایہ، احادیث آثار (اقوال صحابہ اور اقوال تابعین) پر مشتمل ہیں۔ علماء امت نے مذہب حنفی کو باقی مذاہب اہل السنہ والجماعۃ سے زیادہ صحیح پایا اور اسے اختیار کیا۔ انہوں نے ان کتابوں کے شروح لکھے اور بعض علماء نے انہیں مختصر کیا جنہیں متونِ اربعہ کہتے ہیں:

(۱) کنز الدقائق (۲) مختصر الوقایہ (۳) مختصر القدوری (۴) المختار، جس کے مصنف عبداللہ بن محمود موصلی الحنفی ہیں۔

یہ چاروں کتب علماء اہل السنہ والجماعہ کے نزدیک نہایت ہی مستند ہیں اور راقم الحروف کی رائے میں آخری کتاب ''المختار'' باقی تینوں کتب سے افضل اس لیے ہے کہ وہ مسائل میں امام ابوحنیفہ کے

قول کو ذکر کرتا ہے اور پھر خود ہی اس کتاب کی شرح ''والاختیار لتعلیل المختار'' کے نام سے لکھی اور ہر مسئلہ کے لیے قرآن وحدیث سے دلیلیں لکھیں جس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام اعظم کا کوئی قول بھی بغیر دلیل کے نہیں ہے، اور یہ حقیقت بھی عیاں ہوئی کہ امام ابوحنیفہ رائے پر عمل نہیں کرتے بلکہ قرآن وحدیث سے حاصل شدہ علم کو امام ابوحنیفہ نے ''رائے'' سے تعبیر کیا۔ امام ابوحنیفہ نے کبھی کسی صحیح حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ ضعیف حدیث کے لیے بھی قیاس چھوڑا۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ نماز میں قہقہہ (زور سے ہنسنا) از روئے قیاس ناقض وضو نہیں کیونکہ انسانی جسم سے کوئی چیز خارج نہیں ہوتی، لیکن جیسے ہی امام ابوحنیفہ کو حدیث پہنچی، جو نماز میں زور سے ہنسا تو وہ نماز اور وضو لوٹائے، امام ابوحنیفہ نے قیاس چھوڑا اور فرمایا قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جبکہ امام شافعی نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا کیونکہ یہ عقل کے خلاف ہے اور قیاس سے متصادم ہے۔

(۴) نادر الروایہ

جن کتابوں کی روایت مشہور ثقہ علماء سے نہیں ہے وہ کتابیں نادر الروایہ کہلاتی ہیں جن میں مشہور الامالی، الکیسانیات، الرقیات، اطعارونیات، الجرجانیات اور کتاب المخارج ہیں۔

امام محمد بن الحسن انتہائی خوددار انسان تھے۔ ایک دن ہارون الرشید خلیفہ عباسی کے قصرِ خلافت میں تھے، خلیفہ باہر سے آئے، امام محمد کے علاوہ تمام وزراء اور اہلِ دربار کھڑے ہوئے۔ کسی درباری نے ہارون الرشید سے تذکرہ کیا، آپ امام محمد سے پوچھا۔ امام محمد نے جواب دیا، آپ نے مجھے عالم مان کر قاضی مقرر کیا ہے، میں علم کی توہین نہیں کرتا اس لیے کھڑا نہیں ہوا، خلیفہ خاموش ہوا۔

(۵) امام الحسن بن زیاد اللؤلؤی الکوفی

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ایک بڑے محدث عالم ہیں، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے مسند اور دوسری کتب، کتاب المجرد، کتاب ادب القاضی، کتاب الخصال، کتاب معانی الایمان، کتاب النفقات، کتاب الخراج، الفرائض، کتاب الوصایا کی روایت کی۔ انہوں نے محدث ابن جریج سے بارہ ہزار احادیث کی روایت کی۔ امام یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں میں نے الحسن بن زیادہ سے کوئی بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر

حضرت مولانا شاہ احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علیؒ الخ چونتیسویں پشت میں سیدنا حضرت ابوایوب الانصاریؒ الحرزجی سے جاملتے ہیں۔صفر ۱۲۶۵ھ دسمبر ۱۸۵۲ء میں اپنے ننہال نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔آپ کی والدیہ ماجدہ بی بی مبارک النساء حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صدر مدرس عالیہ دیوبند کی حقیقی بہن اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علیؒ کی بیٹی تھیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اپنی والدہ کے بطن سے توام (جڑواں) پیدا ہوئے آپ کی ولادت سے چند گھنٹے قبل آپ کے ایک تنومند بھائی پیدا ہوئے مگر وہ وفات پاگئے۔اور پتلے دبلے ضعیف اور کمزور جسم کے خلیل احمد کواللہ نے زندہ رکھا اور علم وعرفان کی عظیم دولت سے نوازا تو خود آپ کے نانا حضرت مولانا مملوک العلیؒ نے تبرکاً ''بسم اللہ شریف پڑھا کر آپ کو قاعدہ شروع کرایا۔آپ چونکہ بفضلہ تعالیٰ زکی اور ذہین تھے جلد ہی قرآن شریف ناظرہ ختم کرلیا اور اس کے بعد اُردو شروع کردیا۔قرآن کریم،اور فارسی کی ابتدائی کتابیں انبیہٹہ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔اس کے بعد عمر گیارہ سال آپ اپنے چچا انصار علیؒ کے پاس چلے گئے جو ریاست گولیار میں بعدۂ صدر الصدور فائز تھے اور میزان الصرف اور پنج گنج تک کتابیں ان سے پڑھیں۔جب آپ کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب جن کی عمر کا اکثر حصہ ریاستوں کی ملازمت میں باہر گزرا تھا،ملازمت ترک کر کے وطن تشریف لائے تو اپنے فرزند خلیل احمد صاحب کو پاس بلالیا اور مولانا سخاوت علیؒ کے سپرد کردیا جو قصبہ انبیہٹہ کے مشہور استاذ اور محترم عالم تھے۔آپ نے ان سے کافیہ تک کتابیں پڑھیں۔ بعض اعزہ کی رائے سے آپ کی ذہانت کے پیش نظر آپ کو انگریزی اسکول میں داخل کرادیا گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مولانا نے ماسٹروں پر اپنی ذہانت کا سکہ بٹھلادیا۔اس کے بعد محرم ۱۲۸۳ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے مدرسہ کی بنیاد قائم ہوئی اور وہاں کے صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوبؒ جن کی مرض ہیضہ ۱۳۰۲ھ میں اپنے وطن نانوتہ میں وفات ہوئی) مقرر کیے گئے تو آپ ان کے پاس چلے گئے اور وہاں پھر کافیہ کی جماعت میں شریک ہوگئے۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام سے چھ ماہ بعد رجب ۱۹۸۳ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا افتتاح ہوا اور حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (متوفی ۱۳۰۲ھ) کہ وہ بھی قریبی رشتہ سے آپ کے ماموں ہوتے تھے، مدرسہ مظاہر علوم کے صدر مدرس تجویز ہوئے تو حضرت مولانا خلیل احمدؒ مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے اور ۱۲۸۸ھ میں جب کہ آپ کی عمر تیئیس سال کی تھی، آپ نے درس نظامی ختم کرلیا۔ سندفراغت کے بعد آپ کو مدرسہ منگلور ضلع سہارنپور بھیجا گیا۔اس کے بعد مظاہر علوم میں معین المدرسین کے عہدے پر مقرر کیا گیا مگر علوم ادبیہ میں کامل مہارت پیدا کرنے کا شوق آپ پر غالب رہا۔اور آپ اس وقت اورنٹیل کالج لاہور کے پروفیسر اور علوم شرقیہ کے استاذ اعظم حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۱۳۰۴ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور علوم ادبیہ میں خاطر خواہ مہارت حاصل کی اور ان کی تکمیل فرمائی۔واپسی پر حضرت نے اپنا باقی معمول جاری رکھتے ہوئے سال بھر میں قرآن کریم بھی یاد کرلیا اور اپنی مسجد میں حسبۃ اللہ سنانے کا ذوق بھی پورا کیا۔ظالم برطانیہ کی مذہب اسلام کے خلاف کھلی کارروائیوں اور مسلمانوں کے خلاف برملا رخنہ اندازی کی وجہ سے مولانا خلیل احمدؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس سے ہجرت کرنے کو لازم قرار دیا۔ چنانچہ اس حق گوئی کو پاداش میں آپ کو شعبان ۱۳۳۴ھ میں بمبئی سے گرفتار کرکے نینی تال جیل بھیج دیا گیا۔ عدالت کی طرف سے سوال ہوا کہ آپ نے ہندوستان کو دارالحرب اور اسے ہجرت کو ضروری اور واجب کہا ہے؟ فرمایا: ہاں ضرور کہا ہے، کیونکہ دہلی سے تواتر خبر آئی ہے کہ گورنمنٹ ہمیں ہمارے مذہب اسلام کے خلاف حکم دینے پر مجبور کرتی ہے۔حکومت کو اپنی اس غلط اور سخت پالیسی کا احساس ہوا اور اس نے مسلمانوں کو اعتماد میں لینے کے لیے حسن سلوک اور مذہبی رواداری کا اعلان کیا اور اس کے بعد مولانا اور دیگر کارکنوں کو رہا کردیا گیا۔

آپ نے مدینہ طیبہ میں وفات پانے اور دفن ہونے کی آرزو اور شوق میں وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ بالآخر ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو مدینہ طیبہ میں آپ کی وفات ہوئی اور جنت البقیع کے قبرستان میں اہل بیت کی قبول کے پاس دفن ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

☆☆☆

حدیثِ دل

ناصرالدین مظاہری

وقت اور فراغت

احضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بالکل اخیر عمر میں ایک دن ہاتھ پر ہاتھ رکھے بڑے پرسکون انداز میں تشریف فرما، حاضرین مجلس سے فرمارہے تھے کہ:

''الحمدللہ تمام امیدیں پوری ہوگئی ہیں، کوئی موضوع کوئی کتاب اور کوئی چیز ایسی نہیں رہی جس کی میں نے نیت کی ہو اور اللہ تعالیٰ نے پوری نہ فرمادی ہو، اب تو بس موت ہی کا انتظار ہے''

حضرت تھانویؒ نے پوری زندگی لوگوں کی اصلاح، تعلیم وتعلم، ذکرواذکار، وعظ وتقریر، اصلاح وہدایت اور تصنیف وتالیف میں گزری، اس شان سے گزری کہ زندگی کا ایک ایک منٹ فضولیات سے، سمع خراشی سے، لغویات سے پاک رہا، نہ غیبت، نہ تہمت، نہ الزام تراشی، نہ مناظرہ بازی، صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اکثر وقت اللہ اللہ کرتے کرتے، قال اللہ لکھتے لکھتے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے کہتے گزرگئی، اس شان سے گزری کہ دوسرے ہمیشہ رشک کریں گے۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تمام تحریرات کو ان کی عمر کے مطابق جب تقسیم کیا گیا تو ایک منٹ میں ۲۲ سطروں کا تخمینہ لگایا گیا، غور کریں کیا برکت اللہ تعالیٰ نے ان کے اوقات میں رکھی تھی، ایک ہم ہیں کوئی برکت ہی نہیں رہی، کل ہم نے جس کو بچہ کی شکل میں دیکھا تھوڑے ہی دن بعد وہی بچہ عنفوان شباب تک پہنچ گیا، کل ہم نے جس بچی کو گود میں کھلایا کچھ ہی دن بعد پتہ چلا کہ اسی بچی کے نکاح کا دعوت نامہ آگیا، کسی سے ملاقات کرلو، کچھ دن کے بعد پھر ملاقات ہوجائے اور وہ بتانے لگے کہ گزشتہ سال ملاقات ہوئی تھی تو نہایت تعجب ہوتا ہے۔

ہم اپنے وقت میں بے برکتی کا رونا تو خوب روتے ہیں لیکن اس بے برکتی کی وجہ سے آنکھیں چراتے ہیں، وقت میں بے برکتی، رزق میں بے برکتی، عمر میں بے برکتی کسی بھی چیز میں بے برکتی کی پہلی وجہ ہے ہمارے گھروں میں تلاوت قرآن شریف سے غفلت، ہر ہاتھ میں موبائل اور یوٹیوب کی

لعنت، ستر کا کھلے عام کھلنا، بے پردگی اور چوبیس گھنٹے کا گناہ کبیرہ داڑھی کا منڈانا، پہلے کے لوگ ملازمت کے دوران وقت کا مکمل خیال رکھتے تھے اب کے لوگ کام چور ہو گئے ہیں، پہلے امانت میں خیانت کا تصور نہیں تھا اب خیانت میں امانت کی نوبت آچکی ہے۔ پہلے کے مزدور مخلص تھے اب کے مزدور مفلس ہیں، نہ سوچ اچھی، نہ کام اچھا، نہ کردار اچھا، نہ نیت اچھی، نہ اہلیت ہے، نہ صلاحیت ہے، بس ظاہری چمک دمک ہے، زبانی جمع خرچ ہے، ایران توران کی لن ترانیاں ہیں، یہاں وہاں کی پینگیں ہیں، ادھر ادھر کی ڈینگیں ہیں، ایک دوسرے کو مارنے کے لئے، نیچا دکھانے کے لئے سنگین سینگیں ہیں، منصوبہ بندیاں ہیں، سازشیں اور قساوتیں ہیں پھر بھی شکوہ ہے کہ وقت میں برکت نہیں رہی، شور مچاتے ہیں کہ روزی میں برکت نہیں رہی، کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ کسی نے گھر میں، کاروبار میں بندش کرا رکھی ہے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک وقت کے اجزا باہم ایک دوسرے کے بہت قریب نہ ہو جائیں، چنانچہ سال مہینہ کی طرح، مہینہ ہفتہ کی طرح، ہفتہ دن کی طرح، دن ایک ساعت کی طرح اور ایک ساعت آگ جلنے کی طرح ہو جائے گی۔

وقت کا معاملہ عجیب ہے جن لوگوں نے وقت کی قدر و قیمت جان لی اور پہچان لی ان کے رزق اور روزی، ان کی جان اور مال، ان کی عمر اور علم میں برکت ہی برکت ہے اور جن لوگوں نے وقت کو نہیں جانا، اس کی اہمیت سے ناواقف رہے وہ ہمیشہ شاکی اور شکوہ سنج ہی نظر آئے۔

کامیاب لوگوں کی زندگیاں اٹھا کر دیکھ لیجئے، کامرانوں کی سوانح عمریاں پڑھ لیجئے، جنھوں نے غواصی کی وہ موتی اور صدف پا گئے، جنھوں نے راتوں رات جاگ کر محنتیں کیں وہ مقام بلند سے ہمکنار ہو گئے، جنھوں نے بستر استراحت کو قربان کیا، استراحت نے ان کے قدم چومے، جنھوں نے صحرا نوردی کی، تاریخ کے ہیرو بن گئے، جنھوں نے سفری مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کیں کامرانیوں نے ان کا بڑھ کر استقبال کیا، جنھوں نے واپسی کی نشانیاں مٹا دیں، کشتیاں جلا دیں، موجوں سے کھیلے، پہاڑوں کے سینوں کو چیرنے کا عزم کیا، سمندروں کی گود میں کو پہنچے، بے خطر نار و آتش میں کود گئے فلاح و نجاح سے ہم کنار ہو گئے۔

اس دنیا میں بقدر ظرف ہی نعمتیں ملتی ہیں، ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے دولت نہیں آیا کرتی، قسمت آپ سے محنت کی طالب ہے۔

عجیب ماجرا ہے، ایک بہترین موسم میں رات کے سناٹوں میں قلم گھسیٹ رہا ہے۔

دوسرا اسی کے پڑوس میں نیند کے مزے لوٹ رہا ہے۔

ایک کی جاگ جاگ کر آنکھیں متاثر ہیں۔

دوسرے کی سوسو کر آنکھیں متاثر ہیں۔

ایک یادِ خدا میں رو رو کر کمزور ہو رہا ہے۔

دوسرا ٹی وی کے سامنے بیٹھے بیٹھے صبح کر رہا ہے۔

ایک سجدے میں آہیں بھر رہا ہے۔

دوسرا عیاشیوں اور فحاشیوں میں آہیں بھر رہا ہے۔

ایک مسجد میں چٹائی پر بیٹھا ہے۔

دوسرا شراب خانے اور فلم ہال میں کرسیوں پر بیٹھا ہوا ہے۔

انصاف سے بتایئے! کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

کیا محنت کش اور کاہل برابر ہو سکتے ہیں؟

کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟

کیا عسرت اور عشرت میں کوئی برابری ہو سکتی ہے؟

کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟

کیا نور اور ظلمت یک جا ہو سکتے ہیں؟

نہیں ہو سکتے اور ہرگز نہیں ہو سکتے

کیونکہ ایک کے ساتھ خدا ہے

دوسرے کے ساتھ شیطان ہے۔

اللہ والے جنت کی ابدی و سرمدی وادی میں

اور شیطان والے جہنم کی خوفناک گھاٹی میں۔

دوسرے پہلو پر بھی نظر کیجئے!

جنھوں نے بغیر محنت کے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی انہوں نے اپنے آپ کو ضائع کردیا۔

نیند کی آرام دہ آغوش میں سو کر صرف ترقیات کے خواب دیکھ سکتے ہو اور تمہارا بھائی نیند کو قربان کرکے خواب کی تعبیر پا چکا ہے۔

تم جینے کو ترستے ہیں وہ زینے کو طے کر رہا ہے۔

تم حسد کی آگ میں جل رہے ہو وہ صبر وشکر کی وادیوں میں محو خرام ہے۔

تم نان جویں کو ترس رہے ہو اور اس کے دروازے پر فقراو مساکین کی لائنیں اور قطاریں لگی ہوئی ہیں۔

تمہارے گھر کے چوہے بھی نقل مکانی پر مجبور ہیں اور اس محنت کش کے گھر سے ڈیگوں کیکھنکنے کی آوازیں مسموع ہو رہی ہیں۔

تم دن کے اجالوں میں دوسروں کی نعمتوں کے زوال کی بددعائیں مانگ رہے ہو اور وہ سحر کے وقت نعمت وفراغت کی التجا کر رہا ہے۔

کیا تمہاری بددعا قبول ہوگی یا اس کی دعا قبول ہوگی؟ دھیان دو! کیا برا چاہنے والے کبھی کامیاب وکامران ہو سکے ہیں۔

فقہ کے امام اور حدیث کے عالی مقام حضرت الامام الشافعی رحمہ اللہ نے خدا جانے کس وجد اور کس ترنگ میں نہایت ہی قیمتی اشعار ارشاد فرمادئے کہ ان اشعار کی تشریح وتوضیح پر پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔

بقدر الکد تکتسب المعالی

ومن طلب العلا سحر اللیالی

محنتوں کے بقدر ہی مراتب ملا کرتے ہیں اور جو بلند مقام ومرتبے کے خواہشمند ہوتے ہیں وہ راتوں کو جاگا کرتے ہیں۔

ومن رام العلا من غیر کد

اضاع العمر فی طلب المحال

اور جس نے بغیر مشقت کے کامیابی پانی چاہی، اُس نے عمر عزیز ایک ناممکن کام میں ضائع کر دی۔

تروم العز ثم تنام لیلا

یغوص البحر من طلب اللآلی

تم عزت کے طالب ہو مگر راتوں میں سوتے رہتے ہو۔

گہرے سمندروں میں غوطے وہ لگاتے ہیں جنہیں موتیوں کی طلب ہے۔

فضول سوالات سے احتیاط:

عورتیں تو عورتیں ہیں ان کے پاس وقت بھی ہے، ان کی عادت بھی ہے، ان کی باتیں ان ہی کو زیب بھی دیتی ہیں، لیکن بہت سے لوگ اپنے بچپن میں زیادہ تر اپنے گھر کی عورتوں، بہنوں، بچیوں کے ساتھ کھیلتے کودتے بڑے ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں ان کے اندر بھی کچھ ایسی باتیں دیکھی گئی ہیں جو خالص ''نسوانیت'' سے عبارت ہوتی ہیں، مثلاً بات بات میں قسم کھانا، نخرے کرنا، روٹھنا، منانے کا انتظار کرنا، چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہو جانا، باتوں کو طول دینا، ایک ہی بات کو بار بار دہرانا اور ذرا ذرا سی تلخیوں کو دیر تک یاد رکھنا، دوسروں کے درمیان ذکر کرنا، غیبت کرنا، دل میلی اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جو صنف نازک کے لئے خاص ہیں۔ اگر آپ کسی مرد میں ایسی باتیں دیکھیں کہ تو سمجھ جائیں کہ اس کو بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کی نوبت کم آئی ہے یا نہیں آئی ہے اور اپنی بہنوں، بھتیجیوں کے ساتھ کھیلنے کودنے اور لڑنے جھگڑنے کا موقع زیادہ ملا ہے۔

بہت سے امیر گھرانے آج اپنے بچوں کو پڑوسی بچوں کے ساتھ کھیلنے پر پابندی عائد کر دیتے ہیں ، دروازہ ہی نہیں کھلتا ہے، سیکوریٹی تعینات رہتی ہے، اس لئے ایسے گھروں کے بچے اور بچیاں اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

میرے پاس ایک بچہ شیخ فریدالدین عطارؒ کی پند نامہ پڑھ رہا تھا، دوسرے بچے نے کوئی شرارت کی تو اس کے منہ اچانک ''اوئی اللہ'' نکلا، میں نے اس سے پوچھا کہ تم زیادہ تر اپنے گھر کے اندر رہتے ہو؟ اس نے کہا جی، میں نے پوچھا کہ تم سے چھوٹی بڑی بہنیں بھی ہیں؟ جواب دیا جی، میں نے کہا کہ تم اپنی بہنوں کے ساتھ کھیل میں شریک رہتے ہو؟ جواب دیا جی، میں نے کہا کہ پڑوسی بچے تمہارے

یہاں آتے ہیں یا نہیں؟ جواب دیا نہیں؟ میں نے کہا کہ پھر تو تمہارے منہ سے نوجوانی اور جوانی میں بھی اگر یا اللہ کی جگہ ہائے اللہ اور اوئی اللہ نکلے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

بچے فطری طور پر سوال زیادہ کرتے ہیں، اگر بڑے ان کی تربیت کے دوران روک ٹوک نہ کریں تو یہ عادت پختہ ہو جاتی ہے اور پھر وہ بچہ بڑا ہو کر بھی اوٹ پٹانگ سوال کرتا اور خوار ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول گفتگو اور فضول سوال سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ تین چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے(۱) بے فائدہ گفتگو (۲) مال کا ضیاع (۳) کثرت سوال۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے میرے استاذ حضرت مولانا اطہر حسینؒ کو مجھے جو کچھ ملا ہے ان ہی سے ملا ہے ایک دفعہ رواق مظفر کے پاس سے گزر رہے تھے، ساتھ میں کچھ لوگ بھی چل رہے تھے، ایک نے رواق مظفر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس کا نقشہ اچھا نہیں لگا۔ حضرت نے فرمایا کہ خواہ مخواہ اپنی زبان کو کیوں آلودہ کرتے ہو یہ بھی غیبت ہی ہے، کیونکہ اگر اس کے انجینئر کو یہ بات معلوم ہوگی تو اس کو برا لگے گا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: اے مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

سورۂ بقرہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ کی مثال دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا"۔

ایک شخص نے خواہ مخواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرلیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ لوگوں کو خبر کرے تو بے شرمی، چپ رہے تو بے غیرتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سوال پسند نہیں آیا اور پھر آخر کار اسی کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آگیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہمیں آپ صلی علیہ وسلم سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں ہیبت اور خوف کھاتے تھے اور خواہش کرتے تھے کہ کاش کوئی اعرابی، دیہاتی ناواقف شخص آجائے وہ پوچھ لے تو ہم بھی اس کی برکت سے سن لیں۔

ایک مرتبہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اگر صفا سونے کا ہوجائے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانی دسترخوان مانگنے والوں کا جو انجام ہوا وہی تمہارا

بھی ہوگا، اس پر سوال کو چھوڑ دیا گیا اور خاموشی اختیار کر لی گئی۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں کوئی سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گزر جاتا تھا، ہیبت کے باعث پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

مسلم شریف میں ہے کہ میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے پہلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے۔

ایک شخص نے پوچھا کہ اصحاب کہف کے کتے کی نسل ابھی تک چل رہی ہے کہ نہیں؟ ایک نے سوال کی کہ شداد کی جنت کس ملک اور شہر میں واقع تھی؟ ایک طالب علم نے پوچھا کہ زمین سے آسمان کی دوری کتنی ہے؟ بہت سے لوگ پوچھتے رہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف جنتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ تو خود ہی جج بن جاتے ہیں اور اپنا فیصلہ سناتے دیکھے گئے کہ یزید جنتی نہیں ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو علم کی برکت سے محروم کرنا چاہتا ہے تو اس کی زبان پر الجھانے والی باتیں جاری کر دیتا ہے۔

اس قول سے ہمیں یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح مقررین کو نئی نئی تحقیقات، تدقیقات اور تشریحات سے بچنا چاہئے اسی طرح صاحبان علم وقلم کو بھی ایسی فضولیات سے احتیاط کرنا چاہئے جو واقع ہی نہیں ہوئی ہیں، مفروضوں پر اپنی عمارتیں کھڑے کرنے کی حماقتیں نہیں کرنی چاہئیں، ہمیں ہمارے اللہ نے اپنے نبی کی زبانی وہ تمام باتیں بتلادی ہیں جن کی ہمیں ضرورت تھی اور ان تمام سے باتوں سے ہمیں محفوظ رکھا ہے جن کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جس بات سے تمہیں منع کروں اس سے اجتناب کرو اور جس بات کا حکم دوں اسے مقدور بھر انجام دو۔ تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا سبب ان کا بہت زیادہ سوالات کرنا اور ان کی اپنے انبیاء کی مخالفت کرنا بنا تھا۔ (بخاری)

ہماری ضروریات کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے، ہمیں فضولیات سے، خرافات سے، موہوم باتوں اور خیالات سے احتراز واحتیاط کا حکم ہے، کیڑے نکالنے اور منفی سوچنے سے ہمارا ہی نقصان ہے۔

تقدیر، تعلیم اور دولت:

شیخ سعدی شیرازیؒ کی کتاب گلستاں پڑھ رہا تھا، کتاب میں شیخ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کو جب ملک مصر حاصل ہوا تو اس نے کہا کہ یہ وہ ملک ہے جس کو پا کر فرعون نے خدائی کا دعوی کر دیا تھا، میں اس ملک کو کسی ایسے شخص کے حوالے کروں گا جو فہم ودرایت اور عقل وکیاست میں زیرو بٹا زیرو اور رنگ اور نسل میں خسیس ترین ہوگا، چنانچہ ملک مصر خضیب نامی ایک کالے کلوٹے جاہل ونا خواندہ غلام کے حوالہ کر دیا، خضیب کی فراست اور جہاندیدگی کا حال یہ تھا کہ کسانوں نے شکایت کی کہ بے وقت کی بارش نے ہماری ماڑی کی فصل برباد ہوگئی، خضیب بولا کہ تم لوگوں نے غلطی کی، تمھیں براہ راست اون بونی چاہئے تھی۔ خضیب کی اس احمقانہ بات پر ایک اللہ والے نے برجستہ فرمایا:

اگر روزی بدانش در فزودے
ز ناداں تنگ روزی تر نبودے

(اگر روزی کا تعلق عقل وشعور سے ہوتا تو نادانوں سے زیادہ کوئی غریب اور پریشان حال نہ ہوتا)

دنیا بھر کے ممتاز امیروں میں ایک اہم نام انڈین تاجر مکیش امبانی کا ہے، آپ تحقیق کیجیے تو مکیش امبانی کی کمپنی میں کام کرنے والے لاکھوں افراد مکیش امبانی سے زیادہ تعلیم یافتہ، ڈگری یافتہ اور تربیت یافتہ ملیں گے۔

آپ اپنے ہی ملک کے وزیر اعظم کی تعلیمی لیاقت پر نظر کریں تو کئی کروڑ افراد ایسے نکلیں گے جن کی تعلیم وزیر اعظم سے کہیں زیادہ ہے۔

آپ عرب کے بادشاہوں کی تعلیمی حالت دیکھ لیجیے بہت سوں کو تو چھٹا کلمہ بھی یاد نہیں ہوگا۔ آپ دنیا کے امیر ترین شخص بل گیٹس کو دیکھ لیجیے اپنے لاکھوں ماتحتوں سے تعلیم کے باب میں گیا گزرا ہے۔ اس دنیا میں ایسے ہزاروں نمونے آپ کو مل جائیں گے جہاں ادارے، حکومتیں، کمپنیاں، فیکٹریاں اور منڈیاں پڑھے لکھے افراد کے ہاتھوں چل رہی ہیں اور ان کا مالک اَن پڑھ اور انگوٹھا چھاپ ہے۔ بہت سی تنظیموں کے صدور، بہت سی مسجدوں کے متولیان، بہت سے مکاتب کے ذمہ داران، بہت سے مدارس کے مہتممان اور بہت سے اداروں کے ٹرسٹیان کی تعلیمی حالت اور لیاقت

میری اس تحریر کی شہادت اور گواہی دیتی نظر آئے گی۔

اللہ تعالی نادانوں کو روزی ایسے دیتا ہے کہ خود دانا حیران رہ جاتے ہیں، کیمیا گر کو ہی دیکھ لیجیے جو کیمیا کے عمل میں ناکام ہوکر خودکشیاں تک کرلیتے ہیں اور نادانوں کو دیکھ لیجیے انھیں کوڑے کے ڈھیر سے، دریا کی تہوں سے، سڑک پر چلتے چلتے دولت حاصل ہوجاتی ہے، اس کا صاف اور واضح مطلب آپ بھی جانتے ہیں ہم بھی جانتے ہیں سبھی جانتے ہیں کہ

بخت ودولت بکار دانی نیست

جُز بتائید آسمانی نیست

انجینئر، سائنٹیسٹ، لیکچرر، پروفیسر سبھی تعلیم یافتہ اور اتنے تعلیم یافتہ ہیں کہ لوگ رشک کرتے ہیں لیکن یہ سبھی کسی نہ کسی کے ماتحت اور چاکری کرتے دکھائی دیتے ہیں، ایسا تو بہت ہوتا ہے اس دنیا میں کہ بے تمیز اور کندہ ناتراش صاحب دولت ومرتبہ ہے اور خود عقل والا ذہین وفطین ذلیل وخوار اپنی ڈگریاں لئے پت جھڑ کے خشک پتوں کے مانند حصول ملازمت میں جوتیاں چٹخاتے پھر رہا ہے۔ خوب تعلیم حاصل کیجیے، دینی بھی دنیاوی بھی بس اتنا دھیان رہے کہ تعلیم تقدیر اور نصیبے کو نہیں بدل سکتی ہے۔

گفتگو کا معیار:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی طالب علمی کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہم لوگ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے پاس پڑھ رہے تھے، حضرت نے سبق میں تقریر فرمائی تو وہ تقریر ہمارے پلے نہیں پڑی، ہماری سمجھ میں نہیں آیا، عرض کیا گیا کہ حضرت تھوڑا سا نزول فرماکر تقریر کیجئے چنانچہ حضرت نے پھر کچھ آسان تقریر فرمائی اب بھی بات پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی تو پھر نزول کی درخواست کی گئی، حضرت نے تیسری مرتبہ پھر مزید آسان کرکے تقریر کی تب جاکر حضرت تھانویؒ اور ان کے رفقائے درس کی سمجھ میں سبق آسکا۔

ایک مرتبہ مدرسہ امدادالعلوم زید پور ضلع بارہ بنکی میں حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کو دعوت دی گئی، علامہ صاحب تو ماشاء اللہ علامہ بھی تھے فہامہ بھی، معقولات کے امام بھی تھے اور منقولات کے ماہر ترین عالم بھی، دوران تقریر طلبہ اور علماء اش اش تو عوام ہش ہش کررہے تھے، اہل علم حضرات علامہ صاحب کی تقریر میں کھو گئے تھے اور عوام بے چارے حضرت کی تقریر سے اوب

گئے تھے ،ایک طبقہ کے دل میں ان کی تقریر اترا تر جا رہی تھی ، دوسرے طبقہ کے سر سے ان کی تقریر گزر رگزر جارہی تھی ۔تقریر کے بعد ایک طبقہ تعریف میں کہہ رہا تھا کہ واہ کیا تقریر کی ہے ؟ دوسرا طبقہ سراپا حیرت واستعجاب بنا ایک دوسرے سے پوچھ رہا تھا کہ کیا تقریر کی ہے؟

تقریر کا حسن اور تحریر کا جادو اسی وقت مؤثر اوراثر انداز ہوتا ہے جب مخاطب کی رعایت رکھی جائے ، بہت سے انشاء پردازوں کی تحریرات آج اسی لئے ردی کی ٹوکری میں پھینک دی گئی ہیں کہ ان کی باتیں اور مشمولات اتنے معیاری تھے کہ اس معیار کے پرکھنے، پڑھنے اور سمجھنے والے نہیں رہے۔

مجھے تعجب ہوتا ہے دو شخصیتوں پر جو علوم اورفنون کے دریا پئے ہوئے تھے،ان میں سے ایک نے بہشتی زیور لکھی جو عورتوں کے لئے لکھی جانے والی کتابوں میں اب بھی سب سے عمدہ اورسب سے بہتر ہے،دوسرے نے عوام کے لئے ’’تبلیغی نصاب‘‘ لکھی جس میں کوئی قابلیت نہیں بگھاری، اس قدر نزول کے بعد کتاب لکھی کہ تھوڑا سا پڑھا لکھا بھی سمجھ لیتا ہے،دونوں نے آسان عبارت، سلیس ترجمہ اور عام فہم اسلوب اختیار کیا۔نتیجہ آپ کے سامنے ہے کوئی گھر ایسا نہیں جس میں بہشتی زیور نہ پڑھی جاتی ہو اور کوئی مسجد ایسی نہیں جس میں تبلیغی نصاب نہ سنی جاتی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیائے کرام کو اس بات پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کی عقلوں اور ان کے فہموں کے مطابق گفتگو کیا کریں۔ **امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقلولھم۔**

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ **حدثوا الناس بمایعرفون اتحبون أن یکذب اللّٰہ ورسولہ** ۔(بخاری) لوگوں سے تم ایسی باتیں بیان کرو جن کو وہ سمجھ سکتے ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں۔کیونکہ لوگوں کو جو بات بھی عجیب وغریب محسوس ہوتی ہے وہ فوراً اس کو جھٹلا دیتے ہیں،اس جھٹلانے کی وجہ آپ بنے ہیں،آپ نے ان سے ایک ایسی بات بیان کر دی ہے جس کے لئے آپ نے پہلے سے اُن کو تیار نہیں کیا تھا۔

حضرت رابعہ بصریؒ حضرت حسن بصریؒ کے وعظ میں تشریف لے جاتیں تو حضرت حسن بصریؒ اس دن بڑے ذوق وشوق سے وعظ فرماتے اور علم ومعرفت کے دریا بہا دیتے ،ایک دن لوگوں نے آپ سے پوچھا۔حضرت آپ اسی دن کیوں وعظ فرماتے ہیں جس دن حضرت رابعہ بصری تشریف

لاتی ہیں۔ حالانکہ مخلوق خدا کا تو ہمیشہ ہجوم رہتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

’’جو شربت ہاتھیوں کے برتنوں کے لیے ہوتا ہے وہ چیونٹیوں کے برتنوں میں نہیں ڈالا جاتا‘‘۔(خواتین کے لئے منتخب تقاریر)

آپ تجربہ کر لیجئے کسی بھی منبر و محراب اور اسٹیج پر اگر آپ کے مخاطب ہونہار، ہوشیار، عاقل و بالغ اور علماء ہوں گے تو آپ کی تقریر عالمانہ ہوگی اور اگر آپ کے سامنے بچے اور طفل نوخیز موجود ہوں گے تو آپ اپنی تقریر کے معیار اور الفاظ وحروف کے انتخاب میں نزول پر مجبور ہو جائیں گے۔

مضمون ہو یا تقریر وہی معیاری اور وہی بہتر ہے جس پر لوگ عمل کے لئے مجبور ہو جائیں۔

لوگوں سے حسب مراتب برتاؤ:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انـزلـوا الـنـاس منازلهم** (ابوداؤد) ’’لوگوں کو ان کے مرتبہ میں اتارو‘‘۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم اور مفہوم ہوتی ہیں ایک تو اس کا ظاہری مطلب ہے جو ظاہر ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام اور مرتبے کے مطابق جگہ دو، یعنی کوئی بادشاہ وقت آ جائے تو اس کی شایان شان اس کی خاطر کرو، کوئی عام انسان آجائے تو اسی کے معیار کے مطابق اس سے معاملہ کرو، ورنہ رسوائی ہوگی چنانچہ مجھے یاد آیا ایک نہایت ہی دیہاتی لڑکے کا رشتہ لکھنؤ میں کسی امیر کے یہاں ہو گیا، امیر نے اپنی عادت کے مطابق ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ان مہان مہمانوں کے لئے نظم کیا، ہوٹل کا معیار اتنا بڑھا ہوا اور مہمانوں کا معیار اتنا گھٹا ہوا کہ بعد میں مہمانوں کو شکایت رہی کہ پتہ نہیں کیا کیا کھلا دیا اور ہوٹل والوں کو شکایت رہی کہ مہمانوں نے واش بیسن توڑ دئے، انگلش ٹوئلٹ کو برباد کر دیا، شیشے کے خوبصورت دروازوں کو سالن کے نشانات سے داغ دار کر دیا، فرش کو آلودہ اور بیت الخلوں کو ’’فالودہ‘‘ کر دیا، میزبان کو شکایت کہ کئی لاکھ روپے ہرجانے کے بھرنے پڑے، کاش کہ فائیو اسٹار ہوٹل کے بجائے کہ کھلے میدان میں ٹینٹ لگا کر کھلا دیتا تو اتنا نقصان اور رسوائی نہ ہوتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دوران سفر ایک جگہ اتریں، وہاں ایک فقیر آ گیا، آپ نے حکم دیا کہ: اسے ایک قرش (پیسہ) دے دو، دوسرا شخص گھوڑے پر سوار گزرا تو آپ نے فرمایا کہ

اسے کھانے پر بلاؤ، پوچھا گیا کہ آپ نے اس مسکین کو ایک قرش دیا اور اس مال دار آدمی کو کھانے پر مدعو فرمایا؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق جگہ دی ہے، ہمارا بھی فرض ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی حیثیت کے مطابق ہی برتاؤ کریں، یہ مسکین ایک قرش پر خوش ہوسکتا ہے لیکن ہمارے لیے نامناسب ہے کہ اس مالدار کو جو اس شان سے آیا ہو ہم ایک قرش دیں۔

حضرت مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئیؒ قرآن کریم کے مکاتب میں سب سے بہترین فرش بچھواتے تھے، دیگر درجات اور درسگاہوں میں اس سے کم تر، وجہ فرماتے تھے کہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے، کلام الٰہی کا تقاضا ہے کہ اس کو سب سے زیادہ اہمیت اور عزت دی جائے۔

سکندر بادشاہ نے اپنی مجلس میں کہا کہ میں نے کبھی کسی کو محروم نہیں کیا، مجھ سے جس نے جو کچھ مانگا میں نے اسے دیا، ایک شخص نے بادشاہ سے عرض کیا کہ مجھ کو ایک درم کی ضرورت ہے دیدیجئے! بادشاہ نے بہت پتے کی بات کہی کہ ''از بادشاہاں چیزے محقر خواستن بے ادبی است'' بادشاہوں سے نہایت ہی بے وقعت اور حقیر چیزیں طلب کرنا گستاخی اور بے ادبی ہے''۔ وہ شخص بولا کہ اگر ایک درم دینے میں عار محسوس ہوتی ہے تو مجھ کو ایک ملک دیدیجئے! بادشاہ نے پھر بہت عمدہ بات کہی کہ ''پہلے تو سوال کیا جو میرے مرتبہ سے کمتر تھا اور دوبارہ سوال کیا جو خود کی اوقات سے زیادہ ہے، جو بھی سوال کیا غلط کیا۔

بڑوں کے پاس اکثر و بیشتر خادم و خدام بداخلاق یا نااہل ہوتے ہیں، بہت خوش نصیب ہوتے ہیں وہ اکابر جن کے خدام تربیت یافتہ، مزاج آشنا اور مخلص ہوتے ہیں، بہت سے خدام تو اپنی خدمت کے لئے بڑوں کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ کے ایک غریب عقیدت مند کی خواہش تھی کہ وہ حضرت کی دعوت کرے، لیکن خادم وقت ہی نہیں دیتا تھا، ایک دن بڑی منت سماجت کی کہ کوئی بھی تاریخ دو دو تاکہ انتظام کرلوں لیکن خادم نے ایک نہیں سنی۔ وہ صاحب چلے گئے، حضرت مفتی صاحب نے قرائن سے حالات کو سمجھ لیا تو ایک صاحب کو بھیجا کہ واپس بلا کر لاؤ، وہ صاحب حاضر خدمت ہوئے، مفتی صاحب نے پوری بات سنی تو اپنے خادم سے فرمایا کہ جس تاریخ کو یہ دعوت کریں قبول ہے، اس دن کے بقیہ نظام کو کینسل کردو۔ چنانچہ اس کے جانے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ غریبوں کی دعوتیں ہرگز نہ ٹھکرانا، یہ لوگ

بڑے مخلص، محنتی، جفاکش اور قدر قلیل حلال کمانے والے ہوتے ہیں ان کے سادہ کھانے میں جو برکت اور رحمت ہوتی ہے وہ مرغن اور مرغ ومسلم میں نہیں ہوتی۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے پر حاضر ہوئے، پہلے سے ہی بہت سے صحابہ مجلس میں موجود تھے اس لئے جگہ تنگ تھی چنانچہ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک انہیں پیش کی اور فرمایا ''اس پر بیٹھئے'' حضرت جریرؓ نے چادر کو اپنے چہرے سے لگایا اسے بوسہ دیا اور اس تکریم کو دیکھ کر رونے لگے۔ شکریہ ادا کرتے ہوئے چادر مبارک واپس کردی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! جیسی آپ نے مجھے عزت دی، اللہ آپ کو اس سے بھی زیادہ عزت بخشے، آپ کی چادر پر میں نہیں بیٹھ سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ۔ جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز آدمی آئے تو تم اس کا احترام کرو''۔(ابن ماجہ)

علاج بیماری کا کرنا چاہئے:

''بعلبک کی ایک مسجد میں تقریر کررہا تھا، اہل مجلس بڑے مردہ دل تھے، کسی پر میری تقریر کا کوئی اثر نہیں ہورہا تھا، میں نے اپنی تقریر کا موضوع اللہ تعالیٰ کے اُس فرمان کے متعلق شروع کیا ہوا تھا کہ ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں، میں اپنی ترنگ میں وعظ کئے جارہا تھا اور سامعین کی بے حسی اور اپنی پر افسوس بھی ہورہا تھا پھر میں نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ میرا دوست میرے زیادہ قریب ہے جب کہ میں اس سے دُور ہوں اور کس قدر بدنصیب ہوں کہ دوست پہلو میں ہے اور میں اس سے جدا ہوں۔

جس وقت میں یہ شعر پیش کررہا تھا ایک مردقلندر وہاں سے گزرا، اُس نے جب یہ شعر سنا تو اُس پر وجد طاری ہوگیا، بے اختیار نعرے لگانے لگا، اس کی مستی اور بے خودی کو دیکھ کر حاضرین مجلس بھی کیف وکیفیت میں آگئے اور وہ بھی نعرے لگانے لگے۔ میں نے بے اختیار اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! اہل دل اگرچہ دُور رہتے ہوئے بھی دل کے قریب رہتے ہیں مگر عقل کے اندھے دل کے نزدیک ہوکر بھی دُور رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ لوگ خدا کو تلاش کرتے ہیں کبھی جنگلوں میں، کبھی بیابانوں میں، کبھی خشکی میں، کبھی تری میں، کبھی پہاڑوں میں کبھی ریگستانوں میں مگر انھیں یہ پتہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو دل کے اندر ہے، اُسے جب بھی دیکھنا ہو ذرا سی گردن خم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ ہر وقت دیکھا جاسکتا ہے، اسے ہر وقت محسوس کیا جاسکتا ہے، اسے ہر وقت سنا جاسکتا ہے۔ وہ تو وہ ہے اس جیسا کوئی نہیں، نہ ذات

میں نہ صفات میں، نہ یہاں نہ وہاں، کہیں نہیں کبھی نہیں۔ قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد، لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً احد۔ (شیخ سعدی شیرازی کے واقعہ سے مستفاد)

جلسوں، تقریروں، مواعظ و بیانات اور مجالس و محافل کا دور دورہ ہے، جگہ جگہ جلسے ہو رہے ہیں کبھی کبھی تو ایک ہی بستی میں دو دو جگہ اسٹیج سجتے ہیں، مقررین اپنی دھواں دھار تقریروں سے صرف فضا میں صوتی آلودگی بکھیر رہے ہیں کیونکہ ہم جن کو سنانا چاہتے ہیں، راہ راست پر لانا چاہتے ہیں، وہ بالکل آمادہ اور تیار نہیں ہیں، جو کچھ ہم سنانا چاہتے ہیں ہمارا خود اس پر عمل نہیں ہے، ہم لمبے لمبے مواعظ ارشاد فرمادیں، لمبی چوڑی لچھے دار تقریریں کردیں، دھواں دھار بھاشن دیدیں، چیخ و پکار کرکے مجمع کو حیران کردیں، تحقیقات کے انبار لگادیں، لوگوں کے دلوں پر ہماری گفتگو اُس وقت تک بالکل اثر انداز نہیں ہوسکتی جب تک ہم خود ان باتوں پر عمل پیرا نہ ہوجائیں۔ ہماری تقریریں ہمارے گلے سے نہیں اترتی ہیں اور ہم اصلاح کا ٹھیکہ اپنے نام کرانا چاہتے ہیں، ہمارے اعمال خلافِ سنت و شریعت ہیں، ہمارا اخلاق اور ہماری عادات دینی تعلیمات سے متصادم ہیں، ہم تقریروں کے چکر میں نمازوں کے اوقات میں تبدیلیاں کردیتے ہیں، خلاف شریعت امور کا ارتکاب ہم کر رہے ہیں، تقریروں کا ریٹ ہم مقرر کرتے ہیں، شاندار گاڑیاں، سہولتیں اور شرطیں ہم لگاتے ہیں، مسلمانوں کی معاشی حالت ہمارے پیش نظر نہیں ہوتی، ان کی دینی پستی کا احساس ہمیں نہیں ہوتا ہے، مدرسہ ہو یا مسجد، گاؤں ہو یا دہات ہر جگہ ہمارا نفس اور نفسانیت ہمارے دائیں بائیں آگے پیچھے گردش کرتی رہتی ہے، رات دیر تک تقریر کرکے فجر کی نمازیں قضا کرانے کا ذریعہ ہم بنتے ہیں اور پھر بھی ہمیں خوش فہمی ہے کہ ہم دین کا کام کر رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خرچہ اور کرایہ نہ لیں ہاں ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ ٹھگنے کا کام تو نہ کریں۔ اگر بستی غریب ہے، نادار ہے، جہالت کی دلدل میں دھنسی اور شیطانی جال میں پھنسی ہوئی ہے تو ہم خود اپنے خرچے اور اپنے دینی جذبے کا مظاہرہ کرکے وہاں دینی پروگرام کیوں نہیں کرتے؟

مقررین کی مثال اطباء کی سی ہے انھیں وہی دوا اور وہی علاج کرنا چاہئے جس کی ضرورت ہے، کوئی ڈاکٹر نزلہ کی جگہ بخار کی دوا دیدے، کوئی دکان دار چینی کی جگہ نمک دیدے، کوئی استاذ سبق کی جگہ تقریر کردے، کوئی امام نماز کی جگہ فضائل اعمال پڑھ دے تو آپ ہی بتائیں کیا آپ کا پارہ گرم نہ

ہوگا؟ ارتداد کی لہریں اور الحاد کی آندھیاں چل رہی ہیں اور ہم تاریخ اسلام بیان کررہے ہیں، شریعت میں تبدیلیاں ہورہی ہیں اور ہم فضائل اعمال پر تقریر کررہے ہیں، کفر اپنے ترکش کے سارے تیر اپنی کمان سے پھینک چکا ہے اور ہم معاشرہ کی اصلاح پر گفتگو کررہے ہیں۔ بے شک اِن موضوعات کی ہر دور میں ضرورت رہی ہے لیکن فی زمانناایمان پہلے ہے، عقائد پہلے ہیں، دعوت پہلے ہے، تحفظ پہلے ہے، تشخص پہلے ہے، پیاس کے وقت کھانا، بھوک کے وقت پانی، گرمی کے وقت آگ اور بارش کے وقت کھلی فضا کے فضائل بیان مت کیجئے، ضرورتیں پوری کیجئے، پہلے اپنا موضوع طے کیجئے، اپنی قوم کے مزاج اور ضرورت کو پرکھئے پھر خوب خوب مطالعہ کیجئے جب اندر سے آپ بھر جائیں پھر عوام کے درمیان پہنچئے۔ جو کچھ بھی کہئے کہنے سے پہلے اپنے گریبان میں ضرور جھانک لیجئے کہ ہمارا عمل اس کے خلاف تو نہیں ہے؟

پیوند لگی چادر والے خلیفہ

ناصر الدین مظاہری

بارہ پیوند والی چادر:

تاریخ اسلام میں شاید ہی کوئی ایسا اولوالعزم، بہادر، جری اور عظیم بادشاہ گزرا ہو جس کی اتنی فتوحات ہوں کہ برطانوی سامراج بھی کوئی حیثیت نہ رکھے، دنیا کے تین براعظموں تک جن کی بادشاہت اور خلافت پھیلی ہوئی تھی، چاہتے تو سونے کے محل میں رہتے، دنیا کی سب سے قیمتی غذائیں کھاتے، سب سے بہتر پوشاک جسم پر ہوتی، چلتے تو ہٹو بچو کا سماں ہوتا، دائیں بائیں آگے پیچھے سیکوریٹی ہوتی، قطار اندر قطار حشم وخدم ہوتے، تاج اور باج کا راج ہوتا، لیکن یہ کیسا بادشاہ ہے جو ٹھیک اُس وقت جب تینوں براعظموں میں آپ کی حکومت اور انصاف کے باعث آسائشوں کا دور دورہ ہے آپ کے جسم مبارک پر جو چادر موجود ہے اس چادر پر ایک دو نہیں پورے بارہ پیوند نظر آرہے ہیں، جی ہاں یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، کوئی افسانہ نہیں تراشتا، کوئی جھوٹ نہیں ہانکتا بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحب زادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ "ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں خطبہ دیا اور اس وقت آپ کے جسم پر جو چادر تھی اس میں بارہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

۳۲؍ پیوند والی چادر:

یہ شہادت اور گواہی تو بیٹے کی یعنی چھوٹے کی تھی بڑے کی گواہی بھی پڑھتے چلیں سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ بن خطاب کے لباس میں چمڑے کے اکتیس اور کپڑے کا ایک پیوند لگا ہوا دیکھا ہے۔

حضرت علی کو چادر ہدیہ کی:

خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اکثر وبیشتر ایک ہی چادر زیب تن کرتے تھے، لوگوں نے ان سے

پوچھا کہ آپ اکثر یہ ہی چادر کیوں اوڑھتے ہیں، تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو یہ چادر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پہنائی تھی یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔

چار پیوند والی قمیص:

حضرت انسؓ گواہی دیتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر فاروقؓ کی قمیص میں ان کے مونڈھے کے درمیان چار پیوند لگے ہوئے دیکھے ہیں۔

دیہاتی کا اعتراض اور آپ کا تحمل:

کیسے کیسے ہمارے بڑے تھے اور کیسے کیسے ان کے دل اور جگرے تھے ایک دفعہ آپ مسجد نبوی میں خطاب کے لئے کھڑے ہوئے، ایک دیہاتی پورے جوش اور جذبہ سے معترض ہوا کہ حضرت! ہم آپ کی بات نہیں سنیں گےکیونکہ یمن سے جو چادریں آئی تھیں وہ سب کو ایک ایک ملی ہے لیکن آپ کے جسم پر جو قمیص ہے یہ اسی چادر کی بنی ہوئی ہے حالانکہ ایک چادر میں آپ کی قمیص نہیں بن سکتی مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایک سے زیادہ چادریں اپنے پاس رکھی ہیں۔

ہم لوگ ہوتے تو غصہ کا اظہار کرتے، ہمارے غصہ کا پارہ بڑھ جاتا، حالتِ غیض وغضب میں ہم کوئی بھی الٹا سیدھا کام کرگزرتے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے ایسا کچھ نہیں کیا بلکہ نہایت ہی تحمل کے ساتھ فرمایا کہ آپ کے اِس اعتراض کا جواب میرا بیٹا دے گا۔ چنانچہ آپ کے صاحب زادے فقیہ مدینہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میرے والد صاحب کے حصہ میں بھی ایک ہی چادر آئی تھی، یہ سچ ہے کہ آپ کی قمیص ایک چادر میں نہیں بن سکتی اس لئے میرے حصہ کی جو چادر تھی وہ چادر میں نے اباجان کو دیدی ہے۔

پیوند لگے کپڑے اور بیت المقدس کی فتح:

صرف یہی نہیں کہ آپ مدینہ میں تھے اور مدینہ میں ہی آپ کی رہائش تھی اس لئے لباس کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی اس سے بھی آگے کی سنئے، کوئی بھی شخص جب کسی دوسری قوم کے شاہوں، بادشاہوں یا کسی ملک کے فاتح کی حیثیت سے کہیں جائے تو اس کے کروفر کا کیا عالم ہوتا ہے، اس کی جھلک ہمیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اُس ننھی سی چیونٹی سے ملتی ہے جس نے اپنی

ساتھی چیونٹیوں کو پکار لگائی کہ کہ اے چیونٹیو! اپ اپنے بل اور سوراخ میں داخل ہوجاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت سلیمان کا لشکر و عسکر تمہیں کچل دے۔

عیسائی بادشاہوں سے بیت المقدس فتح کرنے کے کی چابیجاں لینے کے لئے جب آپ بیت المقدس کی طرف چلے تو آپ کے پاس ایک ہی سواری تھی جب کہ آپ کا غلام بھی آپ کے ہمراہ تھا، سواری بھی کوئی ایسی معیاری اور تندرست نہیں کہ دونوں کو اپنی پشت پر بٹھا سکے، حضرت عمرؓ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ باری باری بیٹھ کر چلیں گے اور اس طرح باری باری بیٹھتے بیت المقدس پہنچ گئے وہاں آپ کے محبین نے درخواست کی کہ حضرت یہ پیوند لگے کپڑے تبدیل کر لیجئے تو خفگی کا اظہار فرمایا اور اسی ہیئت اور حالت میں بیت المقدس کی چابیاں کفار سے حاصل کیں۔

حرم مکی......امی ہاجرہ اور ریاض الجنہ

ناصر الدین مظاہری

حرم مکی یا عالم محشر:

عالم محشر: اس دن باپ بیٹے سے، بھائی بھائی سے، ماں اپنے بچے سے، بیٹا اپنے باپ سے سارے رشتے دار اپنی اپنی دھن میں ایک دوسرے سے لاتعلق ہوں گے، کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، نفسی نفسی کا سماں ہوگا، حساب کا خوف اور حاضری درحضور رب کے تصور سے پتے پانی ہورہے ہوں گے۔ ہاں ہاں عالم محشر کا عکس و نقش اگر آپ دیکھنا چاہیں تو مکہ مکرمہ پہنچیں، حرم محترم میں حاضر ہوں، اول مرحلہ میں جو منظر آپ کے سامنے ہوگا وہ کچھ یوں ہوگا کہ باپ اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی منزل سے اس منزل تک سکون سے پہنچا ہے لیکن یہاں دونوں بچھڑ گئے، اب آپ دور تک دیکھنے کی کوشش کریں بے سود ہے، پکار لگائیے بے کار ہے، ہجوم انسانی ہی ایسا ہے کہ طے شدہ ترتیب بدل کر رہ جاتی ہے آپ اپنی مرضی سے کسی خاص جگہ پہنچنا چاہیں بہت مشکل ہے، جانا آپ مطاف کے زیریں حصہ میں چاہتے ہیں پہنچا دیئے گئے درمیانی حصہ میں، آپ چھت پر جانا چاہتے تھے لیکن جب دھیان دیا تو خود کار سیڑھیوں کا رخ تہ خانے کی طرف تھا۔ میں نے جب بھی ہدف متعین کیا منتظمین نے کہیں اور پہنچا دیا۔

حرم محترم خاص کر مطاف اور مسعی عالم محشر کا منظر پیش کرتے ہیں، جس کو دیکھو کعبۃ اللہ کے چکر لگا رہا ہے، کعبہ سے چمٹ رہا ہے، حجر اسود پر پہنچنے کی کوشش میں حیران و سرگرداں ہے، رکن یمانی پر بھیڑ ہے، ہٹو بچو، بڑھے چلو کا شور برپا ہے، کوئی کسی کا خیال نہیں رکھ سکتا کیونکہ کسی کو اپنا ہی خیال نہیں رہا، سب کی زبانیں اللہ کی تکبیر و تسبیح میں زمزمہ سنج ہیں، عرب، عجم، امریکہ، ایشیاء، افریقہ، ایشائے کوچک کہاں کہاں سے فرزندان توحید سر کے بل چل کر آئے ہوئے ہیں، کیسی تیز دھوپ اور تپش ہے کندھے چھلے جارہے ہیں، آہیں کراہیں محسوس ہورہی ہیں، گریہ و بکا کا شور ہے، بے خودی کا سماں ہے، محویت کا عالم ہے، سب پر جل وعلا کا جلال غالب ہے، سبھی رب رحیم کی رضا کے طالب ہیں، ہر شخص مجنونانہ تکبیر و تلبیہ میں رطب اللسان ہے، بہت سے احباب یہاں پہنچ کر بچھڑ جاتے ہیں تو بہت

سے احباب یہاں مل جاتے ہیں، عاجزی اور تواضع کا ایسا عدیم النظیر منظر آپ کو کہیں نہیں ملے گا کبھی نہیں ملے گا۔

مطاف: ہائے ہائے یہاں سارے انبیاء نے اپنی جبین نیاز خم کی ہے، اولیاء اللہ نے یہاں پیشانیاں رگڑی ہیں، صحابہ کرام نے یہاں آنسوؤں کے نذرانے پیش کئے ہیں، ظالموں کو توبہ کی توفیق ملی ہے، عاجزوں کو انابت الی اللہ کی دولت ملی ہے، متاع گمشدہ حاصل ہوا ہے۔ مرادیں پوری ہوئی ہیں، نبی اکرم کی ایک ایک سنت پر عمل کے لئے لوگوں کا ہجوم کوشاں ہے۔ شناسا چہرے دوران طواف دکھائی دئے اور پھر غائب ہو گئے۔ اللہ! تو اس پاک و پاکیزہ گھر اور در کی حفاظت فرمائے۔

امی ہاجرہ! آپ کی عظمت کو سلام

آج سعی کے دوران اچانک آپ کی یاد آئی، یاد کے ساتھ ماضی کی پرتیں کھلتی چلی گئیں، میں تاریخ کے اوراق میں گھستا چلا گیا، میں نے دیکھا کہ مکہ مکرمہ کے بے آب وگیاہ مقام پر جہاں چاروں طرف حجر ہی حجر شجر ایک بھی نہیں، کالے کالے پہاڑ، گرمی کی تپش سے حلق خشک، نہ نہریں نہ باغات، نہ کنویں نہ ارغاب، نہ چشمے نہ جھرنے، ہر سو اور چار سو ہیبت ناک سناٹوں کی حکمرانی تھی، امی جان آپ کی گود میں ایک بچہ تھا، ننھا سا، معصوم سا، دودھ پیتا بچہ، خوبصورت بچہ، بچہ کو شدید پیاس لگی تو آپ پریشان ہو گئیں، حالت ایسی کہ قریب قریب تو کجا دور دراز تک پانی کا نام ونشان نہ تھا، بچے کی پیاس سے آپ کی بیقراری بڑھتی گئی یہاں تک کہ آپ پانی کی تلاش وجستجو میں دوڑ پڑیں، کبھی صفا پر بھاگیں تو کبھی مروہ پر چڑھ گئیں، کبھی اِدھر دوڑیں، کبھی اُدھر دوڑیں کیا بیتی ہوگی جب آپ ممتا سے مجبور ہو کر پانی کے لئے سرگرداں تھیں، موذی جانوروں کا بھی خطرہ تھا، پہاڑی درندوں کا بھی دھڑکا تھا، اباجی ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالی کے حکم سے دور بہت دور جا چکے تھے، ایک طرف تو ان کے توکل کو سلام دوسری طرف آپ کی عظمت کو سلام، ننھے اسمٰعیل رو رہے تھے، آپ دوڑتے دوڑتے اچانک مڑ جاتی جاتی تھی بیٹے کے پاس پہنچتی تھیں ایک ممتا بھری نظر بچے پر ڈالتی تھیں اور پھر کبھی صفا پر پہنچ جاتی تھیں کبھی صفا سے اتر کر پانی کی آس میں مروہ پر جا پہنچتی تھیں، آہ! امی جان! آپ کا دوڑنا کیسا دوڑنا تھا، آپ کی یہ بے قراری کیسی بے قراری تھی کہ آپ کے تمام فرزندوں کو دوڑنے کا حکم دے دیا گیا، آج بوڑھے دوڑ رہے ہیں، جوان دوڑ رہے ہیں، بچے بھی بھاگے جا رہے ہیں، کل تو ایک عجیب

منظر دیکھا پیروں سے معذور ایک شخص گھسٹ گھسٹ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا، ایک بڑے بزرگ مروہ سے صفا کی طرف دوڑتے ہوئے گر پڑے، لوگ لپکے، بڑے میاں کو اٹھایا، بڑے میاں پر عجیب کیف اور جنون طاری تھا لنگڑاتے ہوئے پھر دوڑ پڑے، آہ امی جان، آپ کی ممتا بھری یہ دوڑ اللہ تعالیٰ کو کتنی پسند آئی کہ قیامت تک کے لیے حکم دیدیا گیا کہ کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو، بچہ ہو جوان ہو، بزرگ ہو معذور ہو، پرتعیش زندگی گزارنے والے شہزادے بھی، پرتشدد حالات سے نبرد آزما غریب ومسکین بھی سبھی پر واجب ہو گیا کہ دوڑیں کیونکہ ان کی امی دوڑی تھیں!

کعبۃ اللہ کے سات چکر لگائیں ورنہ نہ تو حج قبول ہوگا نہ عمرہ قبول ہوگا، مطاف میں ہجوم کی وجہ سے کندھے چلتے ہیں، پسینہ سے شرابور ہوتے ہیں، گرتے، لڑھکتے، لرزتے ڈگمگاتے، بھاگتے، کبھی تیسرا کلمہ اور کبھی ربنا آتنا پڑھتے کبھی حجر اسود کو چومتے یا استیلام کرکے گزرتے ہیں، کبھی مقام ابراہیم کو دیکھتے اور حطیم میں جھانکتے ہیں، کبھی رکن یمانی پر پہنچ کر سنت رسول پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

امی جان! ابا جی ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ

وَاذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔

(اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر دبلے دبلے اونٹوں پر چلے آئیں راہوں دور سے)

امی جان! ننھے ننھے بچے دوڑتے ہیں تو اسمٰعیل یاد آتے ہیں، بڑے بوڑھے دوڑتے ہیں تو ابا جی ابراہیم یاد آتے ہیں، دوڑنے والے صرف دو چادریں پہنے ہوتے ہیں، سفید کفن جیسی چادریں، بے سلی چادریں، کوئی رنگ نہیں کوئی ڈیزائن نہیں، سر پر بال نہیں، پیروں میں جوتے نہیں، ننگے پیر صفا سے مروہ کی طرف اور مروہ سے صفا کی طرف جس بے خودی میں آپ کی اولاد بھاگ رہی ہے آپ دیکھتیں تو آپ کو اپنی اس اولاد پر بڑا پیار آتا، چاہے ننھے اسمٰعیل کی تکلیف ہو یا آپ کی بے چینی وبیقراری کہ ان کی ایڑیوں کی رگڑ سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا میٹھا چشمہ جاری فرما دیا کہ تب سے اب تک اور اب سے قیامت تک لوگ اسی چشمہ صافی سے پانی پیتے ہیں، شکم سیر ہو کر پیتے ہیں، وہی نام جو آپ نے نے اپنی زبان سے اپنی زبان میں پکارا تھا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ ابھی تک اس کا زمزم ہی نام ہے، زمین کا کوئی کرہ ایسا نہیں جہاں مکہ مکرمہ کے واحد اکلوتے کنویں کا پانی نہ پہنچتا ہو۔ اس

پانی کی ایک ایک بوند لوگ عقیدت سے پیتے ہیں محبت سے دیتے ہیں، ادب واحترام کرتے ہیں، آنکھوں میں ڈالتے اور لگاتے ہیں، حج ہو یا عمرہ عرب حکومت مفت میں پانی ہر حاجی ہر معتمر کو دیتی ہے، لوگ جہازوں سے یہ پانی لے جاتے ہیں اور حکومت کوئی کرایہ نہیں لیتی ہے۔

امی جان! مکہ مکرمہ میں تو آپ ہی کا جلوہ ہے، ہر طرف آپ ہی کا نام ہے کہیں شارع ابراہیم خلیل ہے تو کہیں وادی خلیل ہے، کہیں حطیم میں آپ کے بیٹے حضرت اسمٰعیل محوخواب ہیں تو کعبۃ اللہ آپ کے شوہر نامدار کی تعمیر کا مظہر ہے، کعبۃ اللہ کے پاس ہی وہ بابرکت پتھر بھی اب بھی موجود ہے جو آپ کے بیٹے اور شوہر نے دوران تعمیر استعمال کیا تھا۔

امی جان! یہاں ہر طرف آپ کی یادیں ہیں، باتیں ہیں، شہادتیں ہیں، تاریخی واقعات ہیں، تربیتی قصے ہیں، یادگاریں بھی یہاں، کیسی قسمت لے کر آپ کا گھرانا دنیا میں آیا ہے کہ قبلہ اول میں بھی آپ اور قبلہ ثانی میں بھی آپ، بیت المقدس بھی آپ کی یادگار بیت اللہ بھی آپ کی یادگار۔

عرفات بھی یہاں ہے، جہاں ہر حاجی کو پہنچنا ضروری، مزدلفہ بھی یہاں ہے جہاں وقوف ضروری، منی بھی یہیں ہے جہاں آپ کے شوہر نامدار حضرت ابراہیم خلیل نے آپ کے صاحب زادے حضرت اسمٰعیل ذبیح کو اللہ کے حکم سے قربان کرنا چاہا تھا؛ وہ تینوں جگہیں بھی اب بھی بطور یادگار موجود ہیں جہاں ملعون شیطان نے ایک بار نہیں دوبار نہیں تین تین بار حضرت ابراہیم خلیل کو الٰہی حکم سے روکنا چاہا تھا، مشعر الحرام اور مسجد نمرہ بھی یہیں ہیں جہاں دو دو نمازیں ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔

امی جان! حج بیت اللہ کی بھیڑ اور پورے سال عمرہ کے لئے آنے والے ازدحام میں آپ کا عکس ونقش دکھائی دیتا ہے۔ کتنی بلند نصیب ہیں کہ صبح وشام آپ کے لئے دعائیں ہوتی ہیں، ایصال ثواب ہوتا ہے۔

ریاض الجنہ میں بلا استحقاق حاضری:

ریاض الجنہ یہ وہ بابرکت مقام ہے جو مسجد نبوی کا قدیم ترین حصہ ہے، یہ حصہ دائیں جانب منبر رسول سے ملا ہوا ہے اور بائیں جانب قبر رسول سے متصل ہے اس حصہ کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة یعنی میرے گھر اور میرے منبر کے

درمیان والی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔

مجھے ریاض الجنہ میں نماز ونوافل کے اجر وثواب کا علم نہیں ہے نہ ہی کوئی حدیث اس کی فضیلت کے تعلق سے میں نے پڑھی ہے تاہم یہ تو طے ہے کہ یہ جگہ روضۃ من ریاض الجنۃ کا مصداق ہے اور ہمارے لئے عقیدت ومحبت کی وادیوں میں گلگشت کرنے کا سنہری موقع بھی۔

عرصہ دراز پہلے ایک حدیث شریف پڑھی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں ایک ایک، دو دو نبی اوران کے ساتھ ان کے ماننے والے گزرتے رہے اور بعض نبی ایسے بھی تھے کہ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا، آخر میرے سامنے ایک بڑی بھاری جماعت آئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کیا یہ میری امت کے لوگ ہیں؟ کہا گیا: یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ پھر کہا گیا کہ کناروں کی طرف دیکھو، میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی عظیم جماعت ہے جو کناروں پر چھائی ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ ادھر دیکھو، ادھر دیکھو، آسمان کے مختلف کناروں میں، میں نے دیکھا کہ جماعت ہے جو تمام افق پر چھائی ہوئی ہے۔ کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اوراس میں سے ستر ہزار حساب کے بغیر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ (اپنے حجرہ میں) تشریف لے گئے اور کچھ تفصیل نہیں فرمائی، لوگ ان جنتیوں کے بارے میں بحث کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اوراس کے رسول کی اتباع کی ہے، اس لیے ہم ہی (صحابہ) وہ لوگ ہیں یا ہماری وہ اولاد ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے؛ کیونکہ ہم جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ باتیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے، فال نہیں دیکھتے اور داغ کر علاج نہیں کرتے، بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس پر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں۔ اس کے بعد دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی ان میں ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عکاشہ تم سے بازی لے گئے''۔

اس حدیث شریف کی اس عنوان سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے لیکن اس میں بلا حساب وکتاب جنت میں جانے کا ذکر ہے۔ ریاض الجنہ حاضری کی چاہت اور حسرت ہر مومن کو ہوتی ہے، دو ہزار اٹھارہ میں جب پہلی بار عمرہ کے لئے جانا ہوا تب نہ اتنے سخت قوانین تھے نہ اتنی بھیڑ ہوتی تھی اب بھیڑ سے مجبور ہو کر حکومت نے کچھ قوانین بنائے، ترتیب بدلی اور ایک ایپلی کیشن کے ذریعہ

ریاض الجنہ کا پرمٹ لینا ضروری ہوگیا، پرمٹ کا حصول بہت مشکل امر ہے، اپلی کیشن پر سخت دباؤ ہے، کئی کئی دن اور ہفتہ پہلے منظوری لینی پڑتی ہے بہت سے افراد کو من چاہے اوقات میں منظوری نہیں ملتی ہے تو وہ بصد حسرت وافسوس کف افسوس ملتے ہیں۔

اس بار مدینہ منورہ میں حاضری کے موقع پر بھی ریاض الجنہ حاضری کا مجھے پرمٹ نہیں مل سکا تھا لیکن قسمت کی خوبی اور مقدر کا کھیل کہ ایک رات اچانک ایک صاحب کا فون پہنچا کہ بدایوں اور بریلی سے ایک گروپ آیا ہوا ہے ان لوگوں کو ابھی ابھی ریاض الجنہ جانا ہے اگر آپ جانا چاہیں تو اسی وقت جنت البقیع کی طرف پہنچیں۔ میں نے نیند کا مکمل ارادہ کر رکھا تھا لیکن جیسے ہی یہ دلنواز خبر ملی تو ایک جست میں کرتا پہن کر وضو کیا، ایک موزہ لفٹ میں اور دوسرا موزہ نیچے سڑک پر بھاگتے ہوئے پہنا، وقت موعود پر گروپ کے ساتھ ریاض الجنہ پہنچ گیا اور تقریباً پندرہ منٹ کا وقت عبادت ودعا کے لیے مل گیا۔

اس واقعہ کے دو چار دن بعد پھر میرے اسی محسن کا فون آیا کہ ریاض الجنہ چلنا ہو تو فوراً پہنچو کیونکہ بریلی والی ایک جماعت میں افراد کم ہیں یعنی گنجائش ہے میں فوراً موقع پر پہنچا، اندر داخل ہوا، عبادات وغیرہ میں مصروف ہوگیا، اب خوش قسمتی دیکھئے کہ اسی دوران نماز عشاء کا وقت ہوگیا اور ہمیں پورے 45 منٹ تک ریاض الجنہ کی بہاریں لوٹنے کا موقع نصیب ہوا۔

میں بار بار سوچتا رہا کہ یا اللہ! جس طرح آپ نے اس گناہ گار کو بلا استحقاق کے ریاض الجنہ پہنچا دیا ہے بالکل اسی طرح بلا حساب وکتاب کل قیامت کے دن جنت الفردوس بھی عطا فرما۔ کیونکہ ہمارے پاس نہ تو نیک اعمال ہیں کہ جنت میں داخلہ کا پرمٹ مل سکے نہ ہی ظاہری اسباب ہیں ہاں البتہ الٰہی فضل اور رحمٰن ورحیم کی عنایت خاصہ سے امیدوار ضرور ہوں کہ جس خدا نے یہاں فضل فرمایا ہے وہاں بھی وہی خدا موجود ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز مایوس وناامید نہیں ہیں۔

☆☆☆

وقوفِ عرفات اور عرفہ کا روزہ

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

حجاج کرام اسلام کے پانچویں اہم رکن کی ادائیگی کے لئے دنیاوی ظاہری زیب وزینت کو چھوڑ کر اللہ جل شانہ کے ساتھ والہانہ محبت میں پانچ یا چھ روز مشاعر مقدسہ (منی، عرفات اور مزدلفہ) میں رہیں گے اور وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ پر حج کی ادائیگی کر کے اپنا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانیوں کے ساتھ جوڑیں گے۔ حج کو اسی لئے عاشقانہ عبادت کہتے ہیں کیونکہ حاجی کے ہر عمل سے وارفتگی اور دیوانگی ٹپکتی ہے۔ حج اس لحاظ سے بڑی نمایاں عبادت ہے کہ یہ بیک وقت روحانی، مالی اور بدنی تینوں پہلوؤں پر مشتمل ہے، یہ خصوصیت کسی دوسری عبادت کو حاصل نہیں ہے۔ عازمین حج نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں (8 ذوالحجہ) کو منی میں رہ کر عبادت کی۔ منی مکہ سے 4-5 کیلومیٹر کے فاصلہ پر دوطرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک بہت بڑا میدان ہے۔ حجاج کرام 8 ذی الحجہ کو اور اسی طرح 11، 12 اور 13 ذی الحجہ کو منی میں قیام فرماتے ہیں۔ منی میں ایک مسجد ہے جسے مسجد خیف کہا جاتا ہے۔ اسی مسجد کے قریب جمرات ہیں جہاں حجاج کرام کنکریاں مارتے ہیں۔ منی ہی میں قربان گاہ ہے جہاں حجاج کرام کی طرف سے جانوروں کی قربانیاں کی جاتی ہیں۔

(9 ذوالحجہ) کو عازمین حج منی سے عرفات کے لئے روانہ ہوجائیں گے، جہاں انہیں ظہر تک پہنچنا ہوتا ہے۔ عرفات منی سے تقریباً 10 کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ عرفات کے شروع میں مسجد نمرہ واقع ہے، جہاں ظہر کے وقت حج کا خطبہ پیش کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ظہر وعصر کی نمازیں ظہر کے وقت میں ادا کی جاتی ہیں۔ اسی جگہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا جو خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ جس کے بعد حجاج کرام وقوف عرفہ کی ادائیگی میں غروب آفتاب تک دعاؤں میں مشغول رہتے ہیں۔ عرفات کے میدان میں ایک پہاڑ ہے جسے جبل رحمت کہتے ہیں، اس کے قریب قبلہ رخ کھڑے ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف عرفہ کیا تھا۔ پہاڑ پر

چڑھنے کی کوئی فضیلت احادیث میں وارد نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے نیچے یا عرفات کے میدان میں کسی بھی جگہ کھڑے ہوکر کعبہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرنی چاہئیں۔وقوف عرفات حج کا سب سے اہم رکن ہے،جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحج عرفہ یعنی وقوف عرفات ہی حج ہے۔ یہ چند گھنٹے حجاج کرام اور پوری امت مسلمہ بلکہ پوری انسانیت کے لئے بہت اہم ہیں،اس لئے حجاج کرام کو اس موقع پر اپنے لئے،اپنے گھر والوں اور پوری امت کے لئے خوب دعائیں کرنی چاہئیں۔اس مبارک گھڑی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرمان پیش ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ ک ثرت سے بندوں کو جہنم سے نجات دیتے ہوں، اس دن اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کے) بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے اُن (حاجیوں) کی وجہ سے فخر کرتے ہیں اور فرشتوں سے پوچھتے ہیں (ذرا بتاؤ تو) یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔(مسلم)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غزوہ بدر کا دن تو مستثنیٰ ہے اسکو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو، بہت راندہ پھر رہا ہو، بہت حقیر ہو رہا ہو، بہت زیادہ غصہ میں پھر رہا ہو، یہ سب کچھ اس وجہ سے کہ وہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا اور بندوں کے بڑے بڑے گناہوں کا معاف ہونا دیکھتا ہے۔(مشکوۃ)

عرفہ کا روزہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔(صحیح مسلم) مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کا ایک روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔لہذا ہمیں 9 ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندو پاک کے لوگ اپنے علاقہ کے اعتبار سے ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو روزہ رکھیں یا سعودی عرب کے مطابق جس دن حج ہوگا اس دن روزہ رکھیں۔سعودی عرب اور ہندو پاک کی چاند کی تاریخ میں

عموماً ایک دن کا فرق ہوتا ہے۔ پہلی بات تو عرض ہے کہ احادیث مبارکہ میں پہلی ذوالحجہ سے نویں ذوالحجہ تک روزے رکھنے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے اس لئے اگر دونوں دن روزہ رکھ لیا جائے تو سب سے بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف ایک ہی روزہ رکھنا چاہتا ہے تو اس کے متعلق فقہاء وعلماء کے درمیان اختلاف ہے کہ کون سے دن رکھا جائے۔ اختلاف ہونے کی وجہ سے دونوں اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ یوم عرفہ کا روزہ رکھنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ مسنون ہے۔ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ ہندو پاک کے لوگ اپنے علاقہ کے اعتبار سے نویں تاریخ کو روزہ رکھیں کیونکہ یوم عید الفطر، یوم عید الاضحیٰ اور یوم عاشورہ کی عبادتوں کی طرح یوم عرفہ کا روزہ بھی اپنے علاقہ کی چاند کی نویں تاریخ کو رکھا جائے، لیکن اس مسئلہ میں جھگڑنے کے بجائے وسعت سے کام لیں اور اپنی رائے کو دوسرے پر تھوپنے کی کوشش نہ کریں۔ ہاں ایک بات عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سے مکہ مکرمہ پر کفار مکہ کا قبضہ ہونے کی وجہ سے مسلمان حج ادا ہی نہیں کر سکے تھے۔ نویں ہجری میں مسلمانوں نے پہلا حج کیا اور اُس کے اگلے سال یعنی 10 ویں ہجری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، جس کے صرف تین ماہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت فرما گئے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ جس میں یہ وضاحت ہو کہ یوم عرفہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت 9 ہجری یا اس کے بعد آئی ہے۔ نیز یوم عرفہ اور وقوف عرفہ دونوں الگ الگ ہیں۔ وقوف عرفہ کا مطلب احرام کی حالت میں عرفات کے میدان میں وقوف کرنا، یعنی وقوف عرفہ صرف حاجی کر سکتا ہے اور عرفات کے میدان میں ہی۔ خلاصہ کلام یہ ہے دونوں دن روزہ رکھیں اور اگر ایک ہی دن رکھنا چاہتے ہیں تو جو آپ کے علماء کہیں اس کے مطابق عمل کر لیں۔

☆☆☆